The Late Rev.Maulavi Sultan Muhammad Khan Paul
Arabic Professor, Forman Christian College Lahore

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ

(سورہ نساء ۱۷۱)

Christ Jesus the son of Mary was a messenger of Allah,
And His Word, AN-NISA (WOMEN) 171

Isa-Ibn-Mariam

By
The Late Rev Mulana
Sultan Muhammad Paul Kabli Afghan

عیسیٰ ابنِ مریم

من تصنیف

زبدۃ المتکلمین سلطان المناظرین

پادری مولوی سلطان محمد خان پال صاحب کابلی افغان (ملّا)

July 1927
www.muhammadanism.org
Urdu
May, 22, 2004

دیباچہ ناشر

ہندوستان کی مشہور اسلامی ریاست بھوپال کے دارالسلطنت سے مولانا نیاز صاحب کی زیر ادارت نگار نامی ایک ماہوار رسالہ کئی سالوں سے نہایت آب وتاب سے شائع ہورہا ہے۔ ملک کے ممتاز جرائد ادبی میں اس کو نمایاں خصوصیت حاصل ہے۔مدیر رسالہ ہذا نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کے عالم اور تجربہ کار صحیفہ نگارہی ہیں بلکہ نئی روشنی نے آپ کے دل ودماغ پر یہاں تک اثر کیاہے کہ آپ کی شابہ روز مساعی کارخ اس طرف ہے کہ اسلام کے ہر کھلے مسئلے کی کوئی نہ کوئی توجیہ وتاویل نکالیں اور گذشتہ تیرہ صدیوں کی صورتِ اسلام کو مسخ کرکے نئے زمانہ کےموافق رنگ دینے میں کمال کردکھائیں۔اس فن میں آپ نے جو ممتاز خصوصیت حاصل کی وہ یہ ہے کہ آپ سرسید احمد خاں صاحب کی نیچریت اور تقدس مآب مولوی محمد علی صاحب ایم اے امیر جماعت احمدیہ لاہور کی احمدیت کو باہم مخلوط کرکے اسلام کی ایسی صورت وشکل بنارہے ہیں کہ عصرِ حاضرہ کی تنقید اعلیٰ کے حملوں سے بزعم خود اسے مصئون ومامون کردیں۔مگر اصلی اسلام کے پیروؤں کوآپ سے بیحد اختلاف ہے جیسا کہ اس کتاب کی تمہیدِ مصنف سے ظاہر ہے۔

گذشتہ سال نگارمیں آپ نے عیسیٰ ابنِ مریم کی ولادتِ بے پدر معجزات اور رفع آسمانی اور مریم بتولہ کے روح القدس سے حاملہ ہونے کا انکار کیا اور ایک طویل و بسیط عالمانہ مضمون لکھ کر اپنے انکار یعنی نیچری اور احمدی اسلام کو حق ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ جب اس مضمون کو ہمارے محترم دوست جناب پادری برکت اللہ صاحب ایم۔اے نے مطالعہ کیا توفی الفور مجھے لکھا کہ اس کا جواب مسیحیوں کی طرف سے ضرور دینا چاہیے۔ چونکہ مولانا نیاز صاحب نے ان تمام تاویلات توجیہات کو جو سرسید احمد خاں صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی ایجادات خاص ہیں ایک جگہ نہایت خوبی اور قابلیت سے مرتب کیا۔ اس لئے بلاریب آپ کے خیالات موجودہ زمانہ کے اعلیٰ طبقہ کے تعلیم یافتہ اہلِ اسلام کے معتقدات کا آئینہ کھے جاسکتے ہیں۔ پس لازم آیا کہ ایسے اعلیٰ پایہ کے علمی اعتراضات کی تردید کے لئےہندوستان بھر کا بہترین مسیحی فاضل جو اسلامیات سے علیٰ وجہ الکمال واقف ہو تلاش کیا جائے۔ ہرچہار اطراف نظر دوڑانے کے بعد میری نظر انتخاب پادری مولوی سلطان محمد خاں صاحب افغان کابلی (ملا) پر پڑی۔ آپ کی ذہنی قابلیت ، علمی لیاقت اور ادبی فضیلت ہندوستان بھر میں مشہور ومسلم ہوچکی ہے۔ آپ ملک بھر کے زبردست ترین علماء فضلائے اسلام سے اکثر مباحثے کرچکے ہیں اور ہر جگہ آپ کو خدائے عزیزالحکیم نے ایسی فتح وظفر عطا فرمائی کہ آج تمام مذہبی طبقوں میں آپ کی دھوم مچی ہوئی ہے۔

جب اس صدی میں علم وفضل کو بے انداز ترقی حاصل ہوئی تو خدائے غیور نے پادری سلطان محمد خاں صاحب کو اپنی خاص قوت عطا کرکے اس ملک میں مبعوث کیا وہ تعلیمافتہ مسلمانوں کو دینِ حق کی طرف رہنمائی کریں۔ آپ نے نہ صرف تقریری مناظروں ہی میں مسیحی دین کی عظمت کاعلمَ بلند کیا بلکہ متعدد تصانیف کی بدولت ہزاروں لاکھوں بندگان خدا کو روحانی فائدہ پہنچایا ہے۔ اب آپ نے یہ کتاب تصنیف فرما کر ان مسلمانوں کے دلوں کو خداوند کبیر کی حقیقی منشا کی جانب رجوع کرانے کا قابل تحسین وآفرین کام کیا ہے۔ جو آج کل کے اعلیٰ علوم وفنون سے بہرہ اندوز چلے ہیں۔

اگر برادرانِ اسلام پادری صاحب ممدوح الصدر کی دیگر تصانیف کا جو اپنے مناظرانہ رنگ میں یکتا اور ہندوستان بھر میں مشہور ومعروف ہیں۔ مطالعہ کریں تو ان کے شکوک وشبہات جو وہ مسیحیت و مسیح کی نسبت اپنے دلوں میں رکھتے ہیں یقیناً دور ہوجائینگے۔ آپ کی تصانیف میں خاص خوبی یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے آپ اس قدر استدلال فرماتے ہیں کہ

اگر آپ کے نام کے ساتھ " پادری" کالفظ چسپاں نہ کیا جائے تو یہی معلوم ہوتاہے کہ کسی مسلمان عالم نے ہی کتاب تصنیف فرمائی ہے ۔آپ مسیحی ہونے سے پیشتر اسلامی تعلیم کے مطالعہ میں زندگی کاایک حصہ غالب گزار چکے تھے۔ بمبئی میں ضیاء الاسلام کی آپ ہی نے بنیاد ڈالی تھی جوآج تک جاری ہے ۔ فارسی آپ کی مادری زبان ہے۔ عربی کے یکتا عالم ہیں۔ قرآن شریف ، احادیث، سیرت ، منطق ، فلسفہ میں مہارت تامہ حاصل ہے۔اور جب ہم ان بے انداز خوبیوں کی جانب گہری نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن فوراً اس قادرِ مطلق خدا کی طرف منتقل ہوجاتاہے جو ہر صدی میں اس قسم کی ممتاز ہستیاں اپنے نام کو جلال دینے کی خاطر برپا کرتاہے۔ مسیحیت کے معجزات میں سے بلاشبہ یہ بھی ایک معجزہ ہے ۔ کابلی افغان ہونے کے باوجود سلیس اور بامحاورہ اردو میں ایسی روانی سے کلام کرسکتے ہیں کہ اہلِ دہلی ولکھنئو پر سبقت لے گئے ہیں۔ یہ رسالہ بھی آپ نے چند ہی ایام میں مرتب کرکے بھیجدیا۔ ہاں مولانا مولوی محمد علی صاحب کے نکات القرآن کے حوالجات اور حصہ اول کے آخر میں " خارج از اسلام" خاکسار کے مرتب کردہ ہیں۔ خدا اپنے نام کی خاطر اہل ہند کو توفیق بخشے کہ وہ تعصب سے خالی الذہن ہو کر راہ حق کی پیروی کریں۔

(خان)

فہرستِ مضامین

حصہ اوّل

وِلادتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

تمہید

حضرت نیاز کی بے نیازی

جولائی ۱۹۲۶ء کے رسالہ نگار میں اور اس کے بعد اگست ۱۹۲۶ء کے نگارانہ ملاحظات میں حضرتِ نیاز نے ان تمام معتقدات سے اپنی بے نیازی کا اظہار کیا ہے جو حضرتِ خضر اور علی الخصوص حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کے متعلق اسلام میں جزلاینفک سمجھے جاتے ہیں۔ نگار کی اس بے باکانہ حرکت کو دیکھ کر" جناب محمد اکبر خاں صاحب" نے حضرت نیا کی خدمت میں ذیل کا مکتوب ارسال کیا:

"جولائی کے مہینے میں آپ وجودِ خضر سے تو انکار ہی کرچکے تھے۔ لیکن اگست کے ملاحظات میں کسی عیسائی جے۔ مارٹن سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے حضرت عیسیٰ پر بھی ہاتھ صاف کردیا۔ مرادں چنیں کنندُ۔ ان کا بن باپ پیدا ہونا، اندھوں، کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو جلانا۔ مصلوب ہونے کے بعد آسمان پر چلاجانا، اور اب تک زندہ رہنا یہ تمام وہ باتیں ہیں جن کے آپ منکر معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن کلام مجید میں صریح آیات ان کے متعلق پائی جاتی ہیں ان کی کیا تاویل ہوسکتی ہے؟ میں بہت مشتاق ہوں کہ ان کی بابت آپ کے خیالات کا علم حاصل کروں۔ میں ان آیات کو اس جگہ درج نہیں کرتا۔ کیونکہ یقیناً وہ آپ کے سامنے ہونگی اور آپ اپنی عادت کے موافق ان کا استقصاء کرکے بحث فرمائینگے۔

یزداں یا دزداں

آپ مکتوب مافوق کا جواب ستمبر ۱۹۲۶ء کے نگار میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے وجود خضر سے انکار تو نہیں کیا۔ لیکن یہ ضرور بیان کیا ہے کہ ان کے متعلق جو روایات عوام میں مشہور ہیں وہ قابل وثوق نہیں ہیں اور جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے وہ ساقط الاعتبار ہیں۔ اب آپ حضرت عیسیٰ کے متعلق مجھ پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ میں نے ان پر بھی اگست کے ملاحظات میں ہاتھ صاف کردیا۔ سو بندہ نواز! یہ صفائی میرے ہاتھ کی نہیں ہے بلکہ خود اس قوتِ برتر واعلیٰ کی ہے جس نے انہیں سولی سے بچالیا۔ اور یہ معاملہ "مرداں چنیں کنند" سے متَعلق ہے بلکہ " یزداں چنیں کنند" سے وابستہ ہے۔

اگر حضرت نیاز کی کی خاطر نازک پر گراں نہ گذرے تو میں عرض کرونگا کہ " یہ ہاتھ کی صفائی " اس ذاتِ برتر واعلیٰ کی نہیں ہے جس نے انہیں مردوں میں جلایا۔ بلکہ سرسید مرحوم کی ہے جس کو جناب نے سارقانہ انداز سے دوبارہ نقل کیا ہے۔ پس یہ معاملہ "نیرداں چنیں کنند" سے وابستہ نہیں ہے۔" بلکہ دزداں[1] چنیں کنند سے وابستہ ہے۔

انجیل کی روایات اور تواریخ

اس کے بعد آپ تاریخ کامل ابن اثیر اور ابن خلدون کے چند دُم بریدہ اقتباسات حوالہ قلم کرکے فرماتے ہیں کہ:

"چونکہ تاریخ کی کتابوں اور انجیل کی روائیتوں میں باہم اس قدر اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے متعلق کسی واقعہ کی صحیح تحقیق ان کی مدد سے نہیں ہوسکتی۔ اور خود رسول اللہ کے زمانہ میں مسیح کے متعلق عجیب وغریب اعتقاد لوگوں میں رائج تھے۔ یہاں

[1] قارئین کرام ذرا تکلیف اٹھا کر سرسید مرحوم کی تفسیر سورہ آل عمران اور سورہ مائدہ کو نگار کے اس مضمون سے مقابلہ کردیکھیں اور حضرت نیاز کی ساقانہ ادا کی داددیں۔(سلطان)

تک کہ بعض ان کو خدا کا بیٹا اور بعض ناجائز مولود کھتے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ ہم کو قرآن پاک پر غور کرنے سے حقیقت کا علم ہوسکتاہے جس میں تمام لغواعتقادات رائجہ کے خلاف صحیح واقعات کی خبر دی گئی ہے۔"

قبلہ !کاش آپ" قرآن پاک" پر غور کرتے !لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ قرآن پاک کا نام لے کرآپ نے سرسید مرحوم کی کاسہ لیسی کو کافی سمجھا۔ آپ کے دو ایک عربی جملوں کو دیکھ کر مجھ کو تو یہاں تک شبہ ہوتا ہے کہ شاید آپ اس کی عبارت بھی روانی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ آپ اس کے مطالب پر غور کریں۔ قرآن مجید پر غور نہ کرنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آپ " تاریخ کی کتابوں اورانجیل کی روائیتوں میں " اس قدر اختلاف معلوم ہوتاہے کہ " حضرت عیسیٰ کی زندگی کے متعلق کسی واقعہ کی صحیح تحقیق نہیں کرسکتے۔

میں نے آپ کے تاریخی اقتباسات کا ایک سے زیادہ بار اعادہ کیا ۔ مجھ کو تو ایک بات بھی ایسی معلوم نہیں ہوئی جو" انجیل کی روائیتوں " کے برخلاف ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اصطلاحات کے نہ سمجھنے کی وجہ سے آپ نے اجمال اور تفصیل کو غلطی سے اختلاف سمجھ لیاہے یعنی جن امور کو انجیل مقدس نے اجمالاً بیان کیا ہے ۔ انہی امور کو ابن اثیر اور ابن خلدون رحمتہ اللہ علیہما نے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ واقعہ ولادت مسیح کے متعلق جن باتوں کا بیان ابن اثیر اور ابن خلدون نے کیاہے ان میں سے ایک کا بھی بیان اناجیل میں نہیں ہے بلکہ ان میں سے بہت سے واقعات کا ذکر قران پاک میں ہے۔ پس اگرکچھ اختلاف ہے تو قرآن پاک کی روائیتوں اور تاریخ کی کتابوں میں ہے نہ کہ انجیل کی روائیتوں اور تاریخ کی کتابوں میں۔

البتہ انجیل کی روائیتوں اور تاریخ کی کتابوں" میں اس وقت اختلاف ہوتا جب آپ کسی تاریخ کی کتاب سے یہ ثابت کرسکتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کی پیدائش باپ کی وساطت سے ہوئی تھی۔ لیکن ہم تحدی کے ساتھ گذارش کرتے ہیں کہ آپ ہر گز یہ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ تمام مورخین اسلام نے بالاتفاق اس کو تسلیم کرلیاہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بلاوالد ہوئی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نسب

آپ لکھتے ہیں کہ :

"حضرت عیسیٰ کا ذکر یوں تو کلام مجید میں کثرت سے پایاجاتاہے لیکن امور زیر بحث پر غور کرنے کے لئے ہم کو سورہ آل عمران ، سورہ مائدہ ، اور سورہ مریم کامطالعہ کرنا چاہیے۔ سورہ مریم میں صرف ان کی پیدائش کے واقعات درج ہیں اور سورہ مائدہ میں صرف ان کے معجزات کا ذکرہے (جن میں اندھوں، کوڑھیوں کو اچھا کرنا مردوں کو جلانا وغیرہ شامل ہے) اور سورہ آل عمران میں پیدائش سے لے کرآخر تک تمام واقعات کا بیان ہے اس لئے ہم سب سے پہلے آل عمران اور سورہ مریم کی ان آیات کو درج کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا حال درج ہے ۔"

إِذْ قَالَتِ الْمَلآئِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَمِنَ الصَّالِحِينَ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَلِكِ اللّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ

(سورہ آل عمران ۴۵ تا ۴۷)۔

جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھ کو اپنی طرف سے ایک کلمہ کی اس کی بابت جس کا نام مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا ہوگا۔ جو دنیا وآخرت میں صاحب وجاہت ہوگا۔ خدا کے مقربین میں سے ہوگا۔ لوگوں سے کلام کریگا گھوارہ میں اور بڑھاپے میں اور ہوگا نیکوں میں سے ۔ مریم نے کہا اے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے دراں حالیکہ مجھے

کسی مرد نے نہیں چھوا- خدا نے کہا یہی ہوگا اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے - جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھہرالیتا ہے توکہہ دیتا ہے ہوجا- اور وہ کام ہوجاتا ہے -

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَن مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا قَالَ كَذَلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (سورہ مریم آیت ۱۶ تا ۳۶)

ترجمہ: اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جب وہ علیحدہ ہوئی اپنے لوگوں سے ایک مشرقی مکان میں پھر کرلیا اس نے ان کی طرف سے پردہ پس بھیجا ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو جو بن گئی اس کے سامنے ایک پورا آدمی - مریم نے کہا میں خدا کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگرچہ تو پرہیزگار ہو اس نے کہا میں تو تیرے پروردگار کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہوں کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا دونگا- مریم نے کہا میرے بیٹا کیسے ہوسکتا ہے درآنحالیکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا اور نہ میں نے کبھی بدکاری کی فرشتہ نے کہا ایسا ہی ہوگا تیرے رب نے کہا کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور ہم بنائینگے - اس کو نشانی لوگوں کے لئے اور رحمت اپنی طرف سے اور یہ امر ٹھہرایا ہوا ہے- پھر حمل ٹھہرا مریم کو اور وہ دور چلی گئی - پھر دردزہ اسکو ایک کھجور کی جڑ میں لے گیا- مریم نے کہا کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور مٹ جاتی پھر اس کو پکارا کسی نے نیچے سے کہ رنجیدہ نہ ہو- جاری کیا ہے تیرے پروردگار نے نیچے ایک چشمہ تو کھجور کو ہلاوہ تجھ پر تروتازہ پھل گرائیگا- تو اسے کھا اور پی اور ٹھنڈی کر اپنی آنکھ، اگر تو کسی آدمی کو دیکھے توکہہ میں نے اللہ کے نام پر روزہ رکھا ہے اور میں آج کسی سے بات نہ کرونگی- پھر مریم اپنے لڑکے کو قوم کے پاس لائی- انہوں نے کہا اے مریم تو عجیب چیز لائی ہے- اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ خراب آدمی تھا- اور نہ تیری ماں خراب تھی - پھر اشارہ کیا مریم نے لڑکے کی طرف-لوگوں نے کہا ہم کیا بات کریں اس سے جو تھا ایک لڑکا گھوارہ میں عیسیٰ نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں- دی ہے اس نے مجھے کتاب اور بنایا ہے -مجھے نبی اور مجھ کو کیا ہے برکت والا جہاں کہیں میں ہوں اور مجھ کو ہدایت کی ہے نماز وروزہ کی جب تک میں زندہ رہوں اور بنایا ہے مجھ کو نیکی کرنے والا اپنی ماں کے ساتھ اور نہیں بنایا مجھے سرکش بدبخت اور سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا جس دن میں مرونگا اور جس دن میں زندہ ہو کر اٹھونگا- یہ ہے سچا واقعہ عیسیٰ بن مریم کا جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں- خدا کے لئے موزون نہیں ہے کہ اس کے کوئی

بیٹا ہو ۔ وہ اس سے پاک ہے وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتاہے توکہہ دیتا ہے ہوجا اور وہ ہوجاتاہے۔

قبل اس کے کہ ہم کلام مجید کی مذکورہ بالاآیتوں پر غور کریں۔ یہ معلوم کرلینا ضروری ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰ کے نسب کے متعلق کیا فرمایاہے۔ سورہ انعام میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بات بیان کردی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ آل ابراہیم سے ہونگے۔:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَقَ وَيَعْقُوبَ كُلاًّ هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ

(سورہ انعام آیات ۸۳تا ۸۵)۔

اب اگر حضرت عیسیٰ کی ولادت بغیرباپ کے تسلیم کی جائے اور صرف مادری سلسلہ نسب پر لحاظ کیا جائے تو دیکھنا چاہیے کہ مریم آلِ ابراہیم یا آلِ داؤد سے تھیں یا نہیں؟ کلام مجید میں ایک جگہ مریم کو بنت عمران (عمران کی بیٹی) کہہ کر پکارا گیاہے اور دوسری جگہ اُخت ہارون (ہارون کی بہن) کے لقب سے یاد کیا گیاہے گویا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مریم کے باپ کا نام عمران تھا اورہارون ان کے بھائی تھے۔ اس پرعیسائی علماء نے اعتراض بھی کیا ہے کہ ہارون کے زمانہ سے مریم کو کیا نسبت ہوسکتی ہے ۔ لیکن وہ اس رمز کو نہیں سمجھے کہ مریم کو ہارون کی بہن کہنا کسی حقیقی رشتہ کا اظہار نہیں ہے بلکہ صرف اس مماثلت کی بنا پر ہے کہ جس طرح ہارون حفاظت وخدمت ہیکل کے لئے مامور تھے اسی طرح مریم کی بھی زندگی شروع ہوئی یہ صحیح ہے کہ موسیٰ کی بہن کا نام بھی مریم تھالیکن اس جگہ مریم کو اُخت ہارون کہنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن میں عیسیٰ کی ماں مریم اور موسیٰ کی بہن مریم کو ایک ہی ہستی قرار دیا ہے درست نہیں ہوسکتا ۔ اس لئے اُخت ہارون کے الفاظ سے مریم کے سلسلہ نسب پر توکچھ روشنی نہیں پڑسکتی ۔ اب رہ گیا ان کو عمران کی بیٹی کہنا سویقیناً یہ بھی اسی لحاظ سے کہا گیاہے جس طرح اُخت ہارون کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے ۔ کلام مجید میں آل ۔ اُخت ، ابن یا بنت وغیرہ کا استعمال بہت وسیع معنی میں ہواہے۔ اوران الفاظ سے وہ قریب کا رشتہ مراد نہیں لیا گیاہے جوان کے معنی سے متبادر ہوتاہے۔ اس لئے مریم کو بنت عمران کہنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ واقعی عمران کی بیٹی تھیں بلکہ اس سے مقصود یہ ظاہر کرناہے کہ وہ آل عمران میں سے تھیں جن کی بزرگی کے متعلق کلام مجید میں یہ آیت آئی ہے۔

ان الله اصطفیٰ ادم ونو حاوال ابراہیمہ ال عمران علی العالمین

مریم کے والد کون تھے۔ یہ امر بالکل تاریکی میں ہے۔ اور اسی لئے عیسیٰ کا سلسلہ نسب داؤد تک متعین نہیں ہوسکتا ۔ اور اگر مریم کی ولادت بھی بغیر باپ کے تسلیم کرلی جائے تو جیسا کہ بعض عیسائی جماعتوں کا خیال ہے کہ توپھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ مریم کے نانا کون تھے اوران کا سلسلہ نسب آلِ داؤد سے ملتا ہے یا نہیں۔ اور اگر مریم کے باپ کا نام واقعی عمران صحیح تسلیم کیاجائے تو اس کے نسب نامے کے متعلق اس قدر اختلاف ہے کہ خود عیسائیوں کو اکثر جگہ تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس سلسلہ سے آلِ داؤد میں شمار ہوسکتا ہے ۔ بعض نے اسے ماتان کی اولاد میں شامل کیا ہے۔ ابن اسحاق اسے یاقیم بن اموں کی اولاد بتاتا ہے ۔ این عسا کرنے زرفیل کے سلسلہ سے آلِ ماتان ہونا ثابت کیا ہے اورانجیلیوں میں باہم سخت اختلاف ہے۔ یہاں تک کہ بعض جگہ مریم بھی بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر کیا گیاہے۔ اور بعض بیانات سے بجائے عمران کے مریم کے باپ کا نام یواقیم درج ہے۔ بہر حال مریم کے والد حال چونکہ بالکل تاریکی میں ہے اس لئے اس پر اعتماد کرکے حضرت عیسیٰ کو مادری سلسلہ سے آلِ ابراہیم میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ قرآن پاک سے صراحتہً ان کا دریافت ابراہیم یا آلِ داؤد میں ہونا ثابت ہے۔البتہ اگر مریم کے نسبتی شوہر یوسف نجار کو عیسیٰ کا باپ تسلیم کرلیا جائے توآسانی سے حضرت عیسیٰ کا آلِ داؤد

میں ہونا ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ یوسف یقیناً آلِ ماتان میں سے تھا اورماتان کا سلسلہ نسب داؤد تک پہنچتا ہے۔ جیسا کہ متی کی انجیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام یوسف تھااور وہ بیٹے تھے یعقوب کی۔

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ نہ تھے اور واقعی بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں تو پھر انجیل وقرآن کی یہ صراحت کہ وہ آل داؤد میں سے ہونگے بالکل لغو ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اول تو مریم کا سلسلہ نسب داؤد تک پہنچتا نہیں اوراگروہ پہنچے بھی تو ساقط الاعتبار ہے کیونکہ یہود میں ہمیشہ سلسلہ نسب باپ کا قابلِ لحاظ تسلیم کیا جاتا تھا اور مادری سلسلہ نسب کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔ یہاں تک تو گفتگو سلسلہ نسب کے لحاظ سے ہوئی اوراس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے تسلیم کی جائے تو نص قطعی اس کی معارضہ واقع ہوتی ہے۔"آپ نے عبارت مافوق میں امور ذیل پر نگارانہ نگاہ ڈالی ہے۔

(الف) اگر حضرت عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے تسلیم کی جائے تو پھر انجیل[1] وقرآن کی یہ صراحت کہ وہ آلِ داؤد میں سے ہونگے بالکل لغو ہوجاتی ہے۔"

(ج) انجیلوں میں باہم سخت اختلاف ہے یہاں تک کہ بعض جگہ مریم کا بھی بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر کیا ہے۔

شق اول کے متعلق یہ عرض ہے کہ " انجیل میں یہ صراحت کہ وہ آلِ داؤد میں سے ہونگے۔" اس وقت "لغو" ہوجاتی ہے جب انجیل میں یہ صراحت بھی ہوتی کہ وہ دیگر انسانوں کی طرح نطفہ سے پیدا ہونگے۔ حالانکہ صحف مطہرہ میں بالوضاحت اس کا ذکر ہے کہ مسیح موعودِ آلِ داؤد میں سے بغیر باپ کے محض بطن مادر سے ہونگے۔ چونکہ ان تمام پیشینگوئیوں کا یہاں درج کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے اس لئے ہم صرف ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔

"خداوند نے سچائی سے داؤد کے لئے قسم کھائی جس سے وہ نہ پھریگا کہ میں تیرے پیٹ کے پھل میں سے کسی کو تیرے لئے تیرے تخت پر بٹھاؤنگا"(زبور ۱۳۶: ۱۱) اس پیشینگوئی سے وہ باتیں ثابت ہوتی ہیں اول یہ کہ مریم صدیقہ داؤد کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ مریم ہی کے بطن سے حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ دوئم یہ کہ مسیح علیہ السلام صرف عورت سے پیدا ہونگے اس لئے داؤد علیہ السلام کو خدا نے کہا " تیرے پیٹ کے پھل " سے "اگر مسیح کی پیدائش باپ کی وساطت سے ہونے کو ہوتی تو "تیری پیٹھ" یعنی صلب سے کہنا لازم تھا۔

پس ظاہر ہے کہ انجیل مقدس میں ہرگز یہ صراحت نہیں ہے کہ مسیح کی پیدائش داؤد کے نطفہ سے ہوگی۔ اور نہ قرآن مجید میں یہ صراحت موجود ہے جس کو آگے ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔ بلکہ دونوں پاک کتابوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی قدرت سے معجزانہ طور پر صرف مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ نیز خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے داؤد علیہ السلام کے مادی انتساب سے بدیں الفاظ انکار فرمایا ہے کہ " پس جب داؤد اس کو خداوند کہتا ہے تووہ اس کا بیٹا کیونکر ٹھہرا" (متی ۲۲: ۴۱تا ۴۵)۔ گویا کہ حضرت عیسیٰ نے ایک لطیف بلکہ لطف پیرایہ میں اس اشتباہ کو رفع فرمایا کہ مسیح" محض اور محض ابنِ داؤد ہونگے۔ یہ نہ صرف انجیل ہی کی صراحت ہے بلکہ قرآن مجید نے بھی اس صراحت کا اعادہ کیا ہے۔

لفظ آل پر بحث

لفظ " آل " سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ مسیح ابراہیم یا داؤد کے نطفہ عتنقلہ تھے سراسر غلط اور بنائے فاسد علی الفاسد ہے جس آیت سے آپ نے یہ استدلال کیا ہے خود اسی آیت میں اس کی تردید موجود ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ آیت مستدلہ میں حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کو بھی آلِ ابراہیم اور داؤد کہا ہے جو حقیقتاً ان کی ذریت میں شامل نہیں ہیں اور نہ ان کے نطفہ منتقلہ ہیں۔ نیز آپ خود ہی فرمارہے ہیں کہ " کلام مجید میں آل ، اُخت ، ابن ، یا

[1] غالباً آپ کا مطلب عہد عتیق سے ہے۔(سلطان)

بنت وغیرہ کا استعمال نہایت وسیع معنی میں ہوا ہے۔" اگر یہ درست ہے تو پھر اس وسعت کو تنگ بنانا کہاں کا انصاف ہے؟

یہودیوں میں سلسلہ نسب

آپ کا یہ فرمانا کہ " یہود میں ہمیشہ سلسلہ نسب باپ کا قابل لحاظ تسلیم کیا جاتا تھا اور مادری سلسلہ نسب کو کوئی نہ پوچھتا تھا" سراسر غلط اور سرسید مرحوم ومولوی ممتاز علی مرحوم کی کورانہ تقلید ہے۔ کاشکہ خود بدولت ہی تکلیف اٹھا کر الکتاب کا مطالعہ فرماتے اس وقت معلوم ہوجاتا کہ سرسید مرحوم نے آپ کو کس طرح مغالطہ میں ڈال دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس صورت مادری سلسلہ نسب کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔" مگر جب ایک یہودی عورت ایک غیر یہودی مرد کے ساتھ عقد کرتی۔ لیکن یہ کہنا کہ اگر وہ دونوں یہودی بھی ہوتے تب بھی " مادری سلسلہ نسب کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔" اور وہ ہمیشہ ایسا کرتے تھے بالکل لغو اور پوچ ہے۔ کیونکہ بائبل مقدس میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں عورتوں کے نام نسب ناموں میں مندرج ہیں ۔ جن میں سے دو ایک مقام ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱۔) اور ان کی بہنیں ضرویا اور ابی جیل تھیں ۔ اور بنی ضروریاہ ابی شے اور یواب اور عسہئیل ین۔ اور ابی جیل سے عماسا پیدا اور عماسا کا باپ یترا اسماعلی تھا (تواریخ ۲: ۱۶تا ۱۷)۔

(۲۔) "تقوع کے باپ اشور کی دو جوروں تھیں حیلاہ اور رنعراہ اور نعراہ اس کے لئے اخوسام اور حصر اور قیمی اور ہخستری جنی یہ نبی نصراہ ہیں۔ اور نبی حیلاہ صرت اور یصنوا اور اتنان (تواریخ ۴: ۵ تا ۷)۔

بفرض محال اگر مدیر صاحب نگار کا "ہمیشہ" صحیح اور درست بھی ہوتا اس وقت بھی محض اس لئے کہ مریم صدیقہ عورت تھیں اور یہودیت یا آل ابراہیمی سے خارج نہیں ہوسکتی تھیں تاوقتیکہ یہ ثابت نہ کیا جائے کہ وہ یہودی نہیں بلکہ ایک اجنبی عورت تھیں کیونکہ عورت کے نام کا نسب نامہ نہ ہونا اس کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ یہودی یا ابراہیمی نسل کی نہیں ہے۔ تاقتیکہ ایک علیحدہ دلیل اس پر قائم نہ کی جائے۔

قرآن شریف سے مریم صدیقہ کے یہودی ہونے کا ثبوت

یہاں تک تو ہم نے اس سے بحث کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آل ابراہیم یا آل داؤد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ماں کی جانب سے آل ابراہیم یا آل داؤد ہونگے ۔ اور صحف مطہرہ کے شواہد سے ہم نے یہ ثابت کیا کہ سلسلہ مادری یہودی نقطہ نگاہ میں ایک امر مستند ہے۔اب اگر ہم قرآن شریف سے بھی یہ ثابت کرسکیں کہ مریم صدیقہ ابراہیمی نسل میں سے تھیں توپھر مدیر صاحب نگار کا یہ اعتراض کہ " اگر عیسیٰ کی ولادت بغیر باپ کے تسلیم کی جائے تو نص قطعی اس کی معارض واقع ہوتی ہے" بے وقعت اور باطل ٹھہریگا"اور" نص قطعی " اس کی معارض نہیں بلکہ معاضد ومویدواقع ہوگی۔

اگرچہ قرآن مجید مریم صدیقہ کا کوئی طول وطویل نسب نامہ پیش تو نہیں کرتا لیکن چند ایسے واقعات بیان کرتاہے جن سے لاریب یہ ثابت ہوتاہے کہ مریم صدیقہ خالص ابراہیمی نسب یہودی حسب تھیں ۔ مثلاً یہ کہ

(۱۔) ان کی ماں کا ان کو ہیکل کی خدمت کے لئے نذر کرنا (آل عمران رکوع ۴)

(۲۔) حضرت زکریا کا ان کا کفیل ہوجانا (آل عمران رکوع ۴)

(۳۔) مریم کا مسیح کو اپنی قوم (یہودیوں) کے پاس لانا۔ (سورہ مریم رکوع ۲)

(۴۔) مریم کا اُخت ہارون کہلانا وغیرہ ذالک۔ (سورہ مریم رکوع ۲)

یہ ایسے واقعات ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتاہے کہ مریم صدیقہ ابراہیمی نسب تھیں۔ کیونکہ غیر کا ہیکل کی خدمت کرنا تو درکنار اس کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا تھا۔ (اعمال ۲۱: ۲۷تا ۲۸)۔ اور حضرت زکریا کا مریم صدیقہ کو اپنی کفالت میں لے لینا مریم کے یہودی ہونے کی ایک ایسی زبردست دلیل ہے جس سے کوئی "شخص تاقتیکہ پراگندہ وخیال نہ

ہو انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حضرت ذکریا مریم کے خالو تھے ۔ یعنی حضرت مریم کی ماں اور حضرت الیشبع جو حضرت ذکریا کی بیوی تھیں دونوں بہنیں تھیں (ابن خلدون[1]) اور حضرت الیشبع یہودا کے فرقہ میں سے تھیں لہذا مریم کی ماں بھی یہودا کے فرقہ میں سے اور ابراہیمی نسل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ذکریا نے مریم صدیقہ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہودیوں کو مریم کی قوم کہنا اور مریم کا اُخت ہارون کہلانا نامزید ثبوت ہے اس بات کا کہ مریم صدیقہ فی الحقیقت یہودی حسب تھیں۔

مریم کو بنت عمران اور اُخت ہارون کہنے کی رمز

شق ثانی میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ " کلام مجید میں ایک جگہ مریم کو بنتِ عمران (عمران کی بیٹی) کہکر پکارا گیا ہے اور دوسری جگہ اُخت ہارون(ہارون کی بہن) کے لقب سے یاد گیا ہے گویا اس سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ مریم کے باپ کا نام عمران تھا اورہارون ان کے بھائی تھے۔ اس پر عیسائی علماء نے اعتراض بھی کیا ہے کہ ہارون کے زمانہ سے مریم کو کیا نسبت ہوسکتی ہے لیکن وہ اس رمز کو نہیں سمجھے کہ مریم کوہارون کی بہن کہنا کسی حقیقی رشتہ کا اظہار نہیں ہے بلکہ صرف اس مماثلت کی بنا پر ہے جس طرح ہارون حفاظت وخدمت ہیکل کے لئے مامور تھے ۔ اسی طرح مریم کی بھی زندگی شروع ہوئی ---------- اب رہ گیا ان کو عمران کی بیٹی کہنا سو یقیناً یہ بھی اسی لحاظ سے کہا گیا ہے جس طرح اُخت ہارون کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے ۔ کلام مجید میں آل ، اُخت ، ابن یا بنت وغیرہ کا استعمال بہت وسیع معنی میں ہوا ہے اور ان الفاظ سے وہ قریب رشتہ مراد نہیں کیا گیا ہے جو ان کے معنی سے متبادر ہوتا ہے اس لئے مریم کو بنت عمران کہنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ واقعی عمران کی بیٹی تھیں۔"

محترمی ! عیسائی " اس رمز کو " سمجھے یا " نہیں سمجھے" یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔ لیکن حیرت تو یہ ہے خود بدولت نے اس رمز کو نہیں سمجھا اور قطعاً نہیں سمجھا۔ آپ کا یہ فرمانا کہ " مریم کو ہارون کی بہن کہنا کسی حقیقی رشتہ کا اظہار نہیں ہے بلکہ صرف اس مماثلت کی بنا پر ہے کہ جس طرح ہارون حفاظت وخدمت ہیکل کے لئے مامور تھے اسی طرح مریم کی بھی زندگی شروع ہوئی' غلط بلکہ اغلط ہے توریت مقدس کی رو سے ہارون علیہ السلام کی خدمت میں ایک عورت کی خدمت میں بعد المشرقین سے بھی زیادہ بعد تھا۔ بلکہ کوئی عورت ان خدمات میں سے ایک کو بھی بجا نہیں لاسکتی تھی جن کے بجالانے کے لئے ہارون علیہ السلام مامور تھے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں مریم صدیقہ کی والدہ محترمہ کہہ رہی ہیں کہ ولیس ا الذکر کالاشی (عمران ۱ ۳) جس کی تفسیر میں آپ کی مقتدا سرسید علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں کہ "بیٹی اس طرح پر مبعد کی خدمت گذاری پر مومور نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے جب لڑکی پیدا ہوئی تو حضرت مریم کی ماں نے افسوس کیا کہ اورکہا کہ لیس الذکر کلاشی"پس صاف ظاہر ہے کہ مریم اورہارون میں "مماثلت" نہیں بلکہ مخالفت ہے جنسیت کے لحاظ سے بھی اور خدمت کے لحاظ سے بھی۔ اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ خود بدولت نے اس رمز کو نہیں سمجھا۔

اسی طرح آپ کا یہ فرمانا بھی سراسر غلط ہے کہ مریم کو بنت عمران کہنا یہ معنی نہیں رکھتا ہے کہ وہ واقعی " عمران کی بیٹی تھیں" میں کہتا ہوں کہ وہ واقعی عمران کی بیٹی تھیں۔" کیونکہ قرآن مجید مریم کو صرف بنت عمران ہی ظاہر نہیں کرتا بلکہ ان کی والدہ محترمہ کو "

---

[1]"قال الطبری . وکانت حنة مریم الانجیل فنذرت الله ان حملت لتجلعن ولد بها جباً بیت المقدس علی خدمت علی عاد اتهم فی نذر مثلہ فلما حملت ووضعتها الفهقا فی خر قتها وجائت بها الی المسجد فد فتطا الی عباده وهی ابنہ نے اسا مهم فتنا زعوانی کفالتها . واراد ذکریا ان یستبد بها لان زوجہ ایشاع (الیصبات) خالتها ." (ابن خلدون وبروایت طبری) سلطان

عمران کی [1] بیوی بھی بتلاتاہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مریم صدیقہ حقیقتاً اور صلباً عمران کی بیٹی تھیں۔ چنانچہ آپ کے صاحبِ ماخذ سرسید مرحوم بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھتے ہیں کہ " یہ نام حضرت مریم کے باپ کا ہے" پھر نہ معلوم کس بنا پر آپ لکھتے ہیں کہ وہ واقعی عمران کی بیٹی نہیں تھیں۔

انجیلوں میں باہم اختلاف

شق ثالث میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ " انجیلوں میں باہم سخت اختلاف ہے یہاں تک کہ بعض جگہ مریم کا بھی بغیر باپ کے پیدا ہونا ظاہر کیا گیا ہے ۔ اور بعض بیانات سے بجائے عمران کے مریم کے باپ کا نام یواقیم درج ہے۔مدیر صاحب نگار کی قرآن دانی تو آپ دیکھ چکے اب آپ ذرا ان کی انجیل دانی کی مہارت بھی ملاحظہ فرمائیں۔آپ کے اس مضمون کی بنا پر میں تو قسم کھا کرکہہ سکتاہوں کہ آپ نے انجیل دیکھی ہی نہیں ۔ کاشکہ خدا آپ کو یہ توفیق دیتا کہ کم از کم ایک بار ہی آپ اس کو دیکھ لیتے ۔ قبلہ ! میں آپ سے بالتحدی مطالبہ کرتا ہوں کہ کچھ نہیں تو ایک جملہ یا ایک لفظ ہی آپ " انجیلوں" میں سے اقتباساً پیش کریں جس سے اگر بالوضاحت نہیں تو بلاشارہ دیا بالکنایہ سمجھا جاسکے کہ مریم صدیقہ "بغیر باپ" کے پیدا ہوئی تھیں ۔ تاسیہ روی شودہر کہ دردغش باشد ۔

[1] إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وِإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
ترجمہ: جس وقت عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو میرے پیٹ میں ہے میں نے اس کو خالصاً تیری نذر کردیا پھر میری طرف سے قبول کر بیشک تو ہی سننے والا ہے جاننے والا پھر جب بیٹی پیدا ہوئی تو اس نے کہا اے پروردگار میں نے تو بیٹی جنی اور خدا خوب جانتا ہے جو اس نے جنا اور بیٹا بیٹی کی مانند نہیں ہوتا اور ہاں میں نے اس کا نام مریم رکھا اور بیشک میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں مردود شیطان سے (سلطان)

آپ کا یہ فرمانا بھی کہ بعض بیانات سے بجائے عمران کے مریم باپ کا نام یواقیم درج ہے۔" مافوق کذب اور بہتان ہے ۔ انجیلوں میں نہ تو مریم صدیقہ کے والد کا نام عمران لکھاہے اور نہ یواقیم لکھا انجیل میں جو نسبنا درج ہے بعض مفسرین کا یہ خیال ہے ہ وہ مریم کا نسب نامہ ہے ! اگر یہ خیال درست بھی ہو تب بھی انجیلوں میں باہم سخت اختلاف " نہیں بلکہ قرآن مجید اور انجیلوں میں اختلاف ہوسکتاہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں مریم صدیقہ کے باپ کا نام عمران لکھاہوا ہے۔ اور لوقا کی انجیل میں عیلی لکھا ہوا ہے لیکن درحقیقت قرآن مجید اور انجیل مقدس بھی حقیقی اختلاف نہیں ہے ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص کے دو نام ہوں۔ صحفِ مطہرہ میں بیسیوں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک شخص کے کئی کئی نام ہوتے تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ الصلواۃ الاسلام کے دو نام تھے۔ ابرام ، ابراہام خود حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ السلام کے چار مشہور نام تھے۔ یسوع (عیسیٰ) ، مسیح ، عمانوائیل و ابن آدم ، مقدس پطرس کے دو نام تھے شمعون وپطرس وغیرہ۔ سرسید مرحوم بھی یہی لکھتے ہیں کہ " عیسائی مذہب کی کتابوں سے ٹھیک طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت مریم کے باپ کا کیا نام تھا۔ بعضے گمان کرتے ہیں کہ ہیلی یا عیلی ان کے باپ کا نام تھا۔ اگر وہ صحیح بھی ہو تو ممکن ہے کہ ایک شخص کے دو نام ہوں (عمران ۳۵)

مسئلہ ولادتِ مسیح وآیات وانجیل وقرآن

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ :

"اب دوسری صورت بحث کی یہ ہے کہ نفسِ مسئلہ وولادت مسیح کے متعلق انجیل وقرآن کی آیات پر غور کیا جائے۔ انجیلیں چار ہیں۔

(۱۔) متی کی انجیل جو حضرت عیسیٰ کے دو سال بعد لکھی گئی اور تمام انجیلوں میں بہت قدیم ہے۔

(۲۔) لوقا کی انجیل جو ۳۰۔ ۳۱سال بعد تحریر میں آئی۔

(۳۔) یوحنا کی انجیل جو ۶۳ ، ۶۴ سال بعد لکھی گئی۔

(۴۔) مرقس کی انجیل جو اس کے بہت بعد کی ہے۔

ان چاروں انجیلوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف مریم کے شوہر اور عیسیٰ کے باپ تھے متعد مقامات پر اسی نسبت کا اظہار کیا گیا ہے (دیکھو انجیل متی باب ۱ درس ۶) لوقا کی انجیل با ۲ درس ۳۳۔ یوحنا کی انجیل باب ۶ درس ۴۲)۔

دیانتدار نقال

اختلاف آرا کی بنا پر ہم کسی شخص کی خوبیوں کو نظر انداز نہیں کرسکتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً اخلاقی مجرم ہونگے۔ نگار میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ کسی مضمون کی نقل اتارتے ہیں نہایت دیانتداری سے کام لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ مکھی پر مکھی مارنے کے گویا آپ مجسم مصداق بنتے ہیں۔ مضمون صحیح ہو یا غلط ان کی بلا سے۔ صرف نقل کرنے سے ان کا مطلب ہوتا ہے چنانچہ فقرہ مافوق اس کا شاہد ہے۔ فقرہ مافوق کو آپ نے سرسید علیہ الرحمتہ کی تفسیر قرآن کے سورہ عمران کے صفحہ ۲۱ سے بلفظ نقل کیا ہے۔ اور اس کی صحت اور عدم صحت کا قطعاً لحاظ نہیں کیا۔ حالانکہ سرسید مرحوم کا یہ خیال کہ " مرقس کی انجیل اس کے بہت بعد کی ہے۔" بالکل صحت سے خالی ہے حالانکہ مرقس کی انجیل تمام تر انجیلوں میں قدیم تر ہے۔ (ڈمیلو کی ایک جلد تفسیر بائبل)۔

The One Volume Bible Commentary Edited By J.R. Dummelow. M.A)

خیر! یہ تو ایک تواریخی مسئلہ تھا جس کی تحقیق نگار کی نازک طبعیت برداشت نہیں کرسکتی تھی اب آپ کی انجیل فہمی ملاحظہ ہو۔ آپ (درحقیقت سرسید مرحوم) لکھتے ہیں کہ :

مدیر صاحب نگار کی انجیل فہمی

ان چاروں انجیلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف مریم کے شوہر اور عیسیٰ کے باپ تھے۔ متعدد مقامات پر اسی نسبت کا اظہار کیا گیا ہے۔(دیکھو انجیل متی باب ۱ درس ۱۶ ۔ لوقا کی انجیل باب ۲ درس ۳۳۔ یوحنا کی انجیل باب ۶ ۱ درس ۴۲)۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نہ صرف انہیں مقاماتِ بالامیں بلکہ اور مقامات میں بھی یوسف کو مریم کا شوہر اور عیسیٰ کا باپ کہا گیا ہے۔ لیکن جب ان مقامات کو اناجیل کے دیگر مقامات کے ساتھ مقابلہ کرکے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ " شوہر اور باپ" کے وہ معنے نہیں ہیں جو مدیر صاحب نگار اور سرسید مرحوم سمجھتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان آیات کو لکھتے ہیں جن سے الفاظ بالا پر روشنی پڑتی ہے:

" اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا چپکے سے اس کے چھوڑدینے کا ارادہ کیا۔ وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دیکر کہا۔ اے یوسف ابن داؤد۔ اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے اور وہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔"(متی ۱: ۱۸تا ۲۱) نیز ملاحظہ ہو لوقا ۱: ۲۶تا ۲۸)۔

آیاتِ مافوق میں چند نہایت غور طلب امور کا بیان ہے۔ مثلاً:

(۱۔)مریم صدیقہ کی منگنی یوسف کے ساتھ۔

(۲۔) منگنی کی حالت میں مریم صدیقہ کا حاملہ پایا جانا۔

(۳۔) یوسف کو جب معلوم ہوا کہ مریم صدیقہ حاملہ ہیں تو ان کو چھوڑدینے کاارادہ کرنا۔

(۴۔) جب مریم صدیقہ حاملہ پائی گئیں تو اس وقت تک وہ یوسف کے گھر میں نہیں رہتی تھیں۔

(۵۔) فرشتہ کا یوسف کو خواب میں یہ کہنا کہ یہ حمل انسانی نطفہ سے نہیں بلکہ روح القدس کی قدرت سے ہے۔

امر اول پر ہم دونوں کا اتفاق ہے اس لئے اس پر مزید بحث کرنا فضول ہے۔ البتہ امر دوم قابلِ غور ہے۔ سرسید مرحوم اپنی تفسیر القرآن میں لکھتے ہیں کہ مسیح کی ولادت منگنی کی حالت میں یوسف کے نطفہ سے ہوئی تھی۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہودیوں میں منگنی اور نکاح میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا(تفسیر القرآن ۔ عمران آیت ۴۲) جو سراسر غلط اور بالکل لغو ہے۔ مجھ کو بے حد تعجب ہے کہ سرسید جیسے محقق کے قلم سے کس طرح یہ لغزش واقع ہوئی اورہمارے کرمفرما آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :

" مریم کا تعلق ازدواج تو یقیناً اس سے ثابت ہوتاہے کہ ان کی اور اولادیں بھی تھیں پھر جس طرح اور اولادیں تعلق ازدواج کے بعد ہوئیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی ہوگئی۔"

کسی دو شخصوں میں ایک بات پر اختلاف پایا جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ دونوں میں سے ایک حق بجانب ہوگا۔ یعنی یا توسرسید حق بجانب ہونگے جو مسیح کی ولادت کو اثنائے منگنی میں تسلیم کرتے ہیں یا ہمارے کرم فرماحق بجانب ہونگے جو مسیح کی ولادت کو نکاح کے بعد تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن انجیل مقدس مقتدی اور مقتداد دونو کی تکذیب کرتی ہے۔چنانچہ امر سوم سے ظاہر ہے ۔ اگردرحقیقت مسیح کی ولادت یوسف کے نطفہ سے منگنی کی حالت میں یا اس کے بعد نکاح کی حالت میں ہوتی تو یوسف کا چپکے سے مریم کو چھوڑدینے کا ارادہ کرنا" نہ صرف بے معنی بلکہ شرارت ہوتی ۔ کیونکہ بقول سرسید مرحوم اگریہودیوں کے دستور کے موافق منگنی اور نکاح میں کوئی فرق نہیں تھا تومریم صدیقہ کے چھوڑدینے کی کوئی وجہ نہ تھی اور یوسف علی الاعلان کہہ سکتا تھا کہ یہ میرا نطفہ ہے ۔ اور بقول ہمارے کرفرما کے اگر تعلق ازدواج کے بعد مسیح کی ولادت ہوئی ہوتی تو تب مطلق ان کومریم صدیقہ کے چھوڑدینے کا خیال تک نہ کرنا چاہیے تھا۔ وہ کون شخص ہے کہ اپنی منکوحہ بیوی کو جو اسی کے نطفہ سے حاملہ ہوئی ہو چھوڑدینے کا ارادہ کرے تاوقتیکہ وہ بدذات اور شریر النفس ثابت نہ ہو۔ کیاہمارے کرفرما یہ ثابت کرسکینگے ؟ پس یوسف کا مریم صدیقہ کے چھوڑدینے کاارادہ کرنا اس بات کی کافی اور شافی دلیل ہے کہ مسیح کی ولادت میں یوسف کا کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ مریم صدیقہ اس وقت تک یوسف کے گھر میں بھی نہیں آئی تھیں جیسا کہ امر چہارم سے ثابت ہے۔ورنہ فرشتے کا یہ کہنا کہ اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر" مہمل ٹھہرتا تھا۔

امر پنجم تو صاف طور پر اور بالوضاحت بتلارہا ہے کہ مریم صدیقہ کا یہ حمل نہ تو یوسف سے تھا اور نہ کسی اور بشر سے تھابلکہ محض" روح القدس کی قدرت" سے تھا۔ پس جہاں کہیں اناجیل میں یوسف اور مسیح کے تعلق کو باپ یا بیٹے یا اسی قسم کے دیگر الفاظ سے ظاہر کیا گیاہے وہ سب مجاز پر محمول ہیں نہ کہ حقیقت پر۔ اب آپ سمجھ گئے ؟

قرآن مجید سے ولادتِ مسیح پر بحث

آگے چل آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

کلام مجید کی آیات میں کسی جگہ اس کا اظہار نہیں کیا گیا کہ آپ کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی ہے لیکن بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے یہ مفہوم اخذ کیا جاتاہے اس لئے آئیے اب ان الفاظ پر غور کریں کہ اصلی بحث یہی ہے اور اسی پر فیصلہ کا انحصار ہے۔"

" اب آپ عمران کی ان آیتوں کو دیکھئے جنہیں ہم درج کرچکے ہیں ۔ ان میں سب سے پہلاوہ لفظ جس کو ولادت مسیح سے متعلق سمجھا جاتا ہے کلمہ کا لفظ ہے۔ یعنی ملائکہ کا مریم سے یہ کہنا کہ ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں خدا کی طرف سے ایک کلمہ کی جس کا نام ابن مریم ہوگا اس بات کو ظاہر کرتاہے کہ مسیح واقعی خدا کے صرف ایک کلمہ تھے اور یہی کلام مسیح کی ولادت کا باعث ہوا۔لیکن کسی شخص کا یہ خیال کرنا نا فہمی کی دلیل ہے کیونکہ اول تو اس کے یہ معنی ہوہی نہیں سکتے کہ جس کلمہ کی خوشخبری دی جاتی ہے اس کا نام مسیح ہوگا ۔ کیونکہ لفظ کلمہ مونث ہے اور اسمہ میں ضمیر مذکر کی ہے اگر وہ مقصود ہوتا تو اسمھا ہونا چاہیے تھا ۔ دوسرے یہ کہ اگر مسیح کو کلمہ الہیٰ سمجھ لیا جائے تو بھی اس سے ان کی ولادت بے باپ کے کیسے ثابت ہوسکتی ہے ؟

کلمہ کا لفظ کلام مجید میں اکثر جگہ آیا ہے لیکن کسی جگہ اس کے معنی لفظ یا کلام کے نہیں لئے گئے۔ اکثر جگہ تو اس سے مراد پیشینگوئی لی گئی ہے لیکن کھیں کھیں احکام ربانی کتاب الہیٰ اور مخلوقات مراد ہیں مثلاً:

ان اللہ بیبشرک بیحیٰ مصدقاً باکلمۃ من اللہ.

کہ یہاں کلمہ سے مراد پیشینگوئی ہے۔

لا تبدیل لکلمات اللہ

کہ اس جگہ بھی پیشینگوئیاں یامقادیر الہیۂ مراد ہیں۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُواْ عَلَى مَا كُذِّبُواْ وَأُوذُواْ حَتَّى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلاَ مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللّهِ(انعام آیت ۳۴)

یہاں بھی کلمات سے پیشینگوئیاں مراد ہیں۔

قل لوکان الجرمداد الکلمت ربی لنفد الجرقبل ان تنفد کلمت . ربی ولو جئنا بمثلہ مدوا.

یہاں کلمات سے مخلوقات مراد ہیں۔

پھر جب قرآن پاک میں کسی جگہ کلمہ کے معنی لفظ کے نہیں آئے توآلِ عمران کی اس آیت میں کیونکر وہ معنی مراد ہوسکتے ہیں ظاہر ہے کہ یہاں بھی کلمہ کے معنی پیشینگوئیاں کے ہیں۔ جیسا کہ امام رازی نے بھی ظاہر کیا ہے۔ یا صرف مخلوق کے اوراس لحاظ سے آیت کے معنی یہ ہونگے کہ فرشتوں نے مریم سے کہا اللہ تجھے ایک بیٹے کی پیشینگوئی کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا لفظ ولد یبشرک کے بعد مخذوف ہے جیسا کہ سورہ حجر کی آیت ۵۵ میں قالو البشرک کے بعد لفظ ولد مخذوف ہے اور اس طرح مخذوفات پُر کرنے کے بعد آیت یوں ہوگی:

ان اللہ یبشرک بکلمتہ منہ (بولد) اسمہ مسیح الخ یعنی اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھے اپنی طرف سے ایک پیشینگوئی کی (اور وہ پیشینگوئی ایک لڑکے کی ہے) جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ لفظ ولد کو حذف کرکے اس کا مفہوم مراد لینا بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہم لوگ کنایتہً کسی کو حاملہ کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ فلاں عورت اُمید سے ہے یا ولادت کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ خدا جلد کوئی خوشخبری سنائے بالکل یہی انداز بیان اس جگہ کلام مجید کا ہے۔ بہر حال اس آیت میں لفظ کلمہ سے کوئی مفہوم ایسا اخذ نہیں ہوسکتا جس سے عیسیٰ کا بن باپ کے پیدا ہونا ثابت ہوتا ہو۔ سورہ مریم میں بجائے لفظ کلمہ کے صراحتہً الفاظ غلاماً زکیا (پاکیزہ لڑکا) استعمال کئے گئے ہیں اور یہ مزید ثبوت اس امر کا ہے کہ یہاں بھی لفظ کلمہ کا مفہوم وہی ہے نہ کہ کام خداوندی۔"

عبارت بالامیں آپ کے خیالات وقرار ذیل مندرج ہیں:

(ا) کلام مجید کی آیات میں کسی جگہ اس کا اظہار نہیں کیا گیا کہ آپ(مسیح) کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی ہے۔"

(ب)"لفظ کلمہ مونث ہے اور اسمہ میں ضمیر مذکر کی ہے اگر وہ مقصود ہوتا تو اسمھا ہونا چاہیے تھا"

(ج) کلام مجید میں کسی جگہ کلمہ کے معنی لفظ یا کلام کے نہیں لئے گئے۔"

(د)" اکثر جگہ کلمہ سے مراد پیشینگوئی لی گئی ہے لیکن کہیں کہیں احکام ربانی ۔ کتاب الہیٰ اور مخلوقات مراد ہیں۔"

(ہ) اوراس طرح مخذوفات پُر کرنے کے بعد آیت یوں ہوگی"۔

قرآن مجید میں مسیح کی ولادت بغیر باپ کے بالوضاحت موجود ہے

شق الف کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو شخص ایک سرسری نگاہ سے ہی ہمارے اس رسالہ کو ایک بار دیکھیگا وہ یقیناً تسلیم کریگا کہ قرآن مجید میں مسیح کی ولادت بغیر باپ کے بالوضاحت موجود ہے اور جمہور مسلمان کا اس پر نہ صرف اتفاق ہے بلکہ ایمان ہے۔آگے چل کر جہاں قرآن مجید کی آیات پر بحث کرینگے وہاں ہم اس کو ثابت بھی کرینگے۔

لفظ کلمہ اور مدیر صاحب نگار کی عربی دانی

آپ کے اس مضمون کی تنقیح کرتے کرتے جب میں فقرہ مافوق تک پہنچ گیا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ اب تک تو سرسید مرحوم کی تفسیر کی نقل ہورہی تھی انہی کے خیالات کا تتبع ہورہا تھا لیکن یہاں سے رنگ کچھ بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ آپ کے شق "ب -ہ" تک ضمیر مبشر بہ کی طرف جائیگی یعنی اس کا نام جس کی بشارت دی جاتی ہے۔ کلمہ کی ضمیر دوسری جگہ صاف مونئث ہے۔ کلمتہ القاھا الی مریمہ تو پس جب ضمیر کے لئے المبشر بہ کی تاویل کرنی پڑی تو کلمتہ منہ کو یبشرک کا مفعول ثانی بنانے کی کوئی ضرورت نہیں (نکات القرآن صفحہ ۲۳۱۱ ، نوٹ ۴۳۷ اور بیان القرآن نوٹ نمبر ۴۲۳ صفحہ ۳۱۰ اور ترجمتہ القرآن انگریزی نوٹ نمبر ۴۲۳)

مقابلہ کروشق" ب" کے ساتھ:

کلمتہ ایک تو نحویوں کی اصطلاح ہے اور صرف ایسے لفظ پر بولاجاتاہے ۔ جو مفروضی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔مگر قرآن کریم میں اور عام محاورہ میں کلمہ سے مراد کلام لیا گیا ہے جیسا کاف کے اس قول پر کہ رب ارجعون لعلیٰ عمل صالحا فیما ترکت فرمایا انہا کلمۃ ہوقا ئلہا جس میں اس عاری کلام کو کلمہ فرمایا ہے۔ ایسا ہی فرمایا وتمت کلمتہ ربک الحسنی علیٰ بن اسرائیل بما صبروا۔ اس کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ لیا گیا ہے ونریدان نمن علیٰ الذین استضعفوا ونجلمھم لائمۃ ونجعم لھم الوارثین پس کلمہ من اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔----------- اب اللہ کی والکلام مصدقاً بکلمۃ من اللہ جس کی تصدیق حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کی وہ صرف ان کی پیدائش کا ذکر ہے۔اور درحقیقت یہاں مراد صرف اسی قدر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو جو پیشنگوئی کے رنگ میں حضرت زکریا پر ظاہر ہوا پورا کردکھائینگے۔ کلمۃ من اللہ کے یہی معنی یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام برنگ پیشنگوئی حضرت مسیح کے متعلق بھی ہے۔ سورہ تحریم میں حضرت مریم کے متعلق ہے صدقت بکلمت ربھا۔ اس نے اپنے رب کے کلمات کو سچ کردکھایا یہ تھی اسی حال میں درست ہوسکتا ہے کہ کلمات سے مراد پیشینگوئیاں لی جائیں۔ نہ کلمات وبھا سے مراد مسیح ہیں اور نہ کلمۃ من اللہ سے مراد مسیح ہے (نوٹ ۴۳۱) اپنے کلمات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو میرے رب کے کلمات اس قدر لاتعداد ولاتحصیٰ ہیں کہ سمندر ختم ہوجائیں مگر وہ کلمات ختم نہ ہوں۔" (نوٹ نمبر ۴۳۷ نکات الرقرآن)۔

مقابلہ کرومشق" ج ود" کے ساتھ

" ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسیٰ بن مریمہ۔
اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے بذریعہ اپنے ایک کلام کے (ایک لڑکے کی) جس کا نام مسیح
عیسیٰ بن مریم ہے۔ عام طور پر اس کے معنی یوں کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمہ
کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام مسیح ابن مریم ہے۔ اس لحاظ سے مسیح کو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ
کہا گیا ہے۔۔۔۔۔مگر میں کہتا ہوں کہ یبشرک بکلمۃ منہ میں باذریعہ کے لئے ہے۔ یعنی معنی یہ
ہیں کہ اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنے کلمہ کے ذریعہ بشارت دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم کو
اسحاق کی بشارت یٰ یبشرک بالحق ہم تجھے حق کے ذریعہ بشارت دیتے ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ
الحق کی بشارت دیتے ہیں۔ اس صورت میں مفعول کو محذوف کرکے اس کی بجائے فرمادیا اسمہ
المسیح۔ وہ جس کی بشارت ہم دیتے ہیں اس کا نام مسیح ہے۔ تو کاتے منہ سے مراد صرف اللہ
تعالیٰ کی پیشینگوئی ہے (نوٹ نمبر صفحہ ۴۳۷ نکات القرآن اور ترجمہ القرآن انگریزی نوٹ
نمبر ۴۳۷)۔

مقابلہ کرو شق " ہ" کے ساتھ۔

اب ان شقوق کے ماخذوں کے معلوم ہونے کے بعد ہر ایک کے متعلق جداگانہ
جداگانہ بحث کرینگے۔ شق " ب" سے ہماری اس رائے کی جو ہم مدیر صاحب کی عربی دانی کی
نسبت کہیں اگلے صفحوں میں ظاہر کرچکے ہیں ایسی تصدیق ہوتی ہے جس کو کوئی شخص کسی
حالت میں رد نہیں کرسکتا ہے۔ میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ " کلمہ " لفظ مونث ہے اور اس
کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ " اسمہ " میں ضمیر مذکر کی ہے۔ لیکن آپ کے اس جملہ کو کہ " اگروہ
مقصود ہوتا تو اسھا ہونا چاہیے تھا" سراسر لغو سمجھا جاتا ہوں ۔ قبلہ آپ نے نقل کرنے کی خوبی
توخوب دکھائی لیکن اس پر غور نہ کیا کہ مولانا محمد علی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ قوانین نحویہ
کے اعتبار سے صحیح بھی ہے یا نہیں ۔ اب سنئے! علم نحو کا یہ ایک بین قانون ہے کہ ایسے الفاظ
کو جو کہ لفظاً مونث میں جب کسی مذکر کے لئے بطور اسم کے مستعل ہوجائیں تو اس حالت میں
ان کے لئے فعل یاضمیر لانے میں ان کی تانیث لفظی ساقط الاعتبار ہوجاتی ہے۔ اوران کے
مفہوم اور مسمیٰ کا لحاظ واجب ہوجاتاہے۔ اب اس کی دلیل بھی سن لیجئے۔ طلحہ ایک لفظ ہے جو
بعینہ کلمہ کی طرح مونث ہے۔ اورآنحضرت کے ایک نہایت ممتاز صحابی کا نام ہے۔ اب میں
آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر طلحہ کے لئے عربی میں کوئی فعل یا ضمیر لائی جائے تواس کی
جنسیت کیا ہونی چاہیے؟ آیامذکر یا مونث ؟آپ کہینگے کہ مونث ہونی چاہیے کیونکہ آپ نے مان
لیا ہے کہ "چونکہ کلمہ مونث ہے لہذا اس کے لئے ضمیر بھی مونث ہونی چاہیے۔ بسیار خوب۔
اب میں طلحہ کے لئے عربی میں ایک فعل مونث اور ایک ضمیر مونث لاکرآپ سے پوچھتا ہوں
کہ آیا۔ یہ جملے صحیح اور درست ہیں؟ کہ قامت طلحہ ، طلحہ قائمتہ وطلحۃ قائم ابوھا۔ آپ توضرور
کہینگے کہ درست ہیں لیکن جن کو عربیت سے ذرا بھی مس ہے وہ آپ پر قہقہ لگائینگے۔ قبلہ !
مافوق کے جملوں کی صحیح سورتیں یوں ہیں۔ قائم طلحہ صلحۃ قائم وطلحۃ قائم ابوہ۔ پس اس قاعدہ
کی رو سے " اسمہ میں جو ضمیر مذکر ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے ۔ میں سچ سچ عرض کرتا
ہوں کہ میں نے آپ کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے جس طرح اپنے شاگردوں کو سمجھاتا
ہوں اگر اس پر بھی آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو بہتر ہے کہ آپ اپنے استاد مولانا محمد علی صاحب
سے استصواب کریں۔

کرمفرمائے من ! یہ قاعدہ عربیت ہی سے مختص نہیں ہے بلکہ اردو میں بھی رائج ہے۔
آپ تو چشم بدور نہ صرف ایک اعلیٰ شاعر ہیں بلکہ ایک ممتاز اردو انشاء پرداز بھی ہیں۔ پھر نہ
معلوم آپ سے کس طرح یہ بات پوشیدہ رہی ؟ اردو زبان میں وفا، جفا، اگر غلطی نہیں کرتا تو نیاز
(ورنہ بتاویل نذر تو) ضرور مونث ہیں۔ اب اگر کوئی شاعر ان الفاظ کو بطور تخلص کے استعمال
کرے توآپ کے قاعدہ کی رو سے یوں کہنا چاہیے کہ" وفا اچھی شاعر ہے" جفا صاحبہ مشاعرہ میں
تشریف ملائیں" اور نیاز (بتاویل نذر) اچھی طبیعت رکھتی ہے۔" اب آپ ہی انصاف سے

فرمائیں کہ اردو دان اصحاب ان جملوں کو سن کر کیا فتویٰ لگائینگے یہی نا کہ " ان کا اردو سب سے اچھا ہے ۔!!!۔

قبلہ ! آپ کو شق" ج" میں ہمچو مافوق سخت مغالطہ دیا گیا ہے ۔ افسوس تو یہ ہے کہ خود جناب نے کلام مجید پر غور نہیں فرمایا اور مولانا مولوی محمد علی صاحب کے اعتبار پر لکھدیا کہ " کلام مجید کسی جگہ کلمہ کے معنی لفظ یا کلام کے نہیں لئے گئے " اگر میں صرف ایک ہی آیت ایسی پیش کروں جس میں " کلمہ " بمعنی " لفظ " یا کلام" کے ہو تو آپ کے اس قاعدہ کلیہ کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے کافی ہے لیکن میں ایسی چند آیتیں پیش کرونگا۔"

مالھم بہ من علمہ ولا بائہم ۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھمہ ان یقلویوں الاانی با۔ ترجمہ۔" نہ تو ان کو اس بات کا کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے کو اس کا علم تھا۔ کیسی بڑی بات ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ سراسر جھوٹ کہتے ہیں " (کھف آیت ۴)۔

(۲) حتیٰ ذاجاء احد ھمہ الموت قال رب اوجعون۔ لعلیٰ عمل صالحاً فیما ترکت کلا۔ انھا کلمۃ ھو قائلھا۔ (ترجمہ)۔

جب ان میں سے کسی کو موت آئیگی تو کہیگا کہ اے رب مجھ کو پھر بھیجو۔ شاید میں کچھ بھلام کام کروں جو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ یہ صرف بات ہی بات ہے جو وہ کہتا ہے۔" (مومنون آیت ۱۰۲)۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُواْ وَلَقَدْ قَالُواْ كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُواْ بَعْدَ إِسْلاَمِهِمْ۔ میں خود اس آیت کا ترجمہ نہیں کرونگا بلکہ مولانا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ لکھونگا جو زمانہ حاضر کے ایک مستند عالم ہیں۔ وہ ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اور ہم نے نہیں کہا۔ اور بیشک کہا ہے کہ انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہوگئے ہیں مسلمان ہو کر" (توبہ آیت ۷۵)

آیت نمبر اول میں نہ فقط کلمہ بہ معنائے بات(لفاظ) کے مذکور ہے بلکہ کلمہ کی تعریف بھی اس کے ساتھ مندرج ہے تاکہ اس کے لفظ ہونے میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔ علم نحو میں کلمہ کی تعریف یہ لکھی ہوئی ہے کہ الکلمۃ لفظ وضع بمعنی مفرداً یعنی کلمہ لفظ مفرد و معنی دار ہے۔ اور لفظ کی تعریف شرح جامی میں یہ لکھی ہے کہ اللفظ فی الغتہ دی الشی من الفمہ یقال اکلمت التمرۃ ولفظت النواۃ یعنی لغت میں لفظ کے معنی کسی چیز کو منہ سے پھینکنا ہے ۔ عرب کے لوگ کہا ں کرتے ہیں کہ میں نے کھجور کھالی اور اس کی گٹھلی منہ سے پھینکدی۔ اب اس تعریف کو آیت نمبر اول سے مقابلہ کرکے داد دیجئے کہ کس معنی خیز اختصار کے ساتھ اس میں لکھاہے کہ کلمۃ تخرج من افواھم ۔ اسی طرح آیت نمبر دوم میں کلمہ کے بعد قائلھا کو لاکر اس کے لفظ ہونے پر مہر کردی کیونکہ عربی میں کوئی شخص قائل (کہنے والا) نہیں کہا جاسکتا ہے تاوقتیکہ وہ اپنے منہ سے کچھ نہ کہے۔ اور تعریف بالاسے ثابت ہے کہ جو کچھ منہ سے نکلتا ہے وہ لفظ ہوتا ہے یا الفاظ۔ آیت نمبر سوم کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ہندوستان کے ایک چوٹی کے عالم نے کلمہ کا" ترجمہ لفظ کیا ہے۔

اس قدر لکھنے کے بعد اب اس کی ضرورت نہیں ہے کہ میں آپ کو شق " د " کی طرف متوجہ ہوجاؤں کیونکہ میں سطور بالا میں ثابت کرچکا ہوں کہ قرآن مجید میں کلمہ کے معنی لفظ کے بھی آئے ہیں ۔ چونکہ آپ نے دو تین آیتیں اپنے ثبوت میں پیش کی ہیں لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بھی سرسری نظر ڈالوں۔

سب سے پہلی آیت جس سے آپ نے استدلال کیا ہے کلمہ بہ معنائے پیشینگوئی ہے یہ ہے کہ " مصدقاً بکلمۃ من اللہ ۔ اگر کچھ دیر کے لئے یہ مان لیا جائے کہ اس آیت میں کلمہ سے مراد پیشینگوئی ہے تو اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا ۔ کہ " اللہ تجھ کو یحیٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو پیشینگوئی کی تصدیق کرنے والا ہے "۔ یہ ظاہر ہے کہ تصدیق اس چیز کی جاتی ہے جو معین ہو یعنی وہ ایسی کھلی ہوئی بات ہو کہ بروقت تصدیق مصدق کی سچائی او دروغ بانی صاف طور پر

عیاں ہوجائے ۔ حالانکہ اس آیت میں کسی قسم کی تخصیص تعئین نہیں ہے لہذا آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ " یہاں کلمہ سے مراد پیشینگوئی ہے" ۔ یہی سبب ہے کہ سرسید مرحوم بھی اس اس آیت میں کلمہ کا ترجمہ " پیشینگوئی " نہیں کرتے بلکہ اس سے مراد" اللہ کا حکم " یا " اللہ کی کتاب" لیتے ہیں ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ مصدقاً بکلمۃ مراللہ (آل عمران صفحہ ۱۴) حالانکہ سرسید مرحوم بھی غلطی پر ہیں لیکن آپ سے کمتر ۔ آیت زیر بحث کے صحیح معنی جس کو تمام مفسرین نے بھی تسلیم کیا ہے یہ ہیں کہ یہاں پر کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں جو انجیل مقدس کے بھی عین موافق ہے ۔ انجیل مقدس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے مصدق تھے(متی ۲: ۱۱ تا ۱۲ ، ومرقس ۷: ۱ تا ۸، لوقا ۳: ۱۵ تا ۱۷ ، ویوحنا ۳: ۲۶ تا ۲۹)۔ باقی رہیں وہ تین آیتیں جن میں لفظ کلمات آیا ہے ۔وہاں بھی ان کے معنی ہرگز" پیشینگوئیاں " کے نہیں ہیں بلکہ الفاظ ربانی یا کُتب ربانی کے ہیں ۔ لیکن یہ کہنا کہ قرآن مجید میں "کلمہ یا کلمات " ایک ہی معنی میں مستعمل ہوئے سراسر نادانی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن مجید " کلمہ" یا کلمات " مختلف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں تو ان کے معنوں کی تعئین اور تحدید کسی طرح ہوسکتی ہے؟ سوال کا جواب یہ ہے کہ قرینہ اور سیاق وسباق سے مثلاً "کلمات" بقرینہ مداد (سیاہی) الفاظ کے معنوں میں ہے یا بمعنائے مجموعہ الفاظ یعنی کتاب وقس علیٰ ھذا۔

مدیر صاحب نگار کی عربی دانی کا مزید ثبوت

آپ کی شق" ھ" کو پڑھ کر جی میں آیا کہ اس کو کاٹ کر " زمیندار کے دفتر میں مدیر صاحب فکاہات اور انقلاب لاہور میں" مدیر صاحب افکار وحوادث کی خدمت میں بھیج دوں۔ لیکن یہ سوچ کر باز رہا کہ مولانا ظفر علی اور حضرت سالک جیسے غیور مسلمانوں سے یہ بعید ہے کہ وہ ایک عیسائی اور افغان عیسائی کے مضمون کو اپنے مخصوص میں کالم میں جگہ دیں اور مضمون بھی جبکہ آپ کے ایک ہم پیشہ کے متعلق ہو۔ لہذا عربی دان طبقہ کی ضیافت طبع کے لئے ذیل میں درج کیا جاتا ہے آپ لکھتے ہیں کہ:

اور اس طرح مخذوفات پر کرنے کے بعد آیت یوں ہو گی ۔ ان اللہ یبشرک بکلمۃ ومنہ (بولد) اسمہ المسیح "۔ اس عبارت کے شروع میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ " لفظ ولد یبشرک کے بعد مخذوف ہے جیسا کہ سورہ حجر کی آیت ۵۵ میں قَالُواْ بَشَّرْنَاكَ کے بعد لفظ ولد مخذوف ہے"۔ اللہ اکبر !ہندوستان میں عربیت کے فقدان پر جس قدر ماتم کیا جائے اتنا ہی کم ہے ! اگر حضرت نیاز کو اس کا یقین ہوتا کہ اس کس مپرسی کے باوجود ہندوستان میں ہزاروں عربی دان موجود ہیں تو کیا ان کو " مخذوفات" پر کرنے کی " جرات ہوتی ؟ اور اس بیباکی کے ساتھ قرآن مجید کی آیتوں کو مجروح کرنے ؟ قرآن مجید کو بازیچہ اطفال بنانا۔ اپنی رائے اور مرضی پر اس کی آیات کی تفسیر کرنا اگر کچھ بھی حقیقت رکھتا ہے تو نیاز صاحب سے جا کر پوچھو۔

گر تو قرآن بدین نمط خوانی

ببری رونق مسلمانی

محترمی ! آیت ان یبشرک بکلمۃ منہ " کو سورہ حجر کی آیت ۵۵" پر قیاس کرنا یا قیاس میں الفارق اور عربی نہ جاننا ہے۔ سورہ حجر کی آیت ۵۵ میں اس وجہ سے لفظ" بغلام" جسے آپ "ولد " کہتے ہیں کہ مخذوف مانا جاسکتا ہے کہ فعل یبشرک دو مفعول چاہتا ہے اور یہاں صرف ایک مفعول "ک " ہے۔ اس لئے اس کے معنی پورے کرنے کے لئے بقرہ آیت ۵۴ یبشرک کے بعد" بغلام" کو جو آیت ۵۴ میں مذکور ہے مخذوف مانتے ہیں۔لیکن آیت ان یبشرک بکلمۃ منہ پر یہ قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس آیت میں دو نو مفعولین موجود ہیں۔ مفعول اول "ک" اور مفعول" ثانی" بکلمۃ ومنہ " جو صفت موصوف ہے۔

دوسری غلطی آپ کی یہ ہے کہ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ " لفظ ولد یبشرک" کے بعد مخذوف ہے۔" تو مناسب تھا کہ ولد " یبشرک" کے بعد رکھ کر یوں لکھتے ۔" ان اللہ یبشرک

بولد کلمۃ منہً جو ایک مہمل جملہ بنتا ہے۔ حالانکہ آپ نے "بولد کو" کلمۃ منہ" کے بعد رکھ کر یوں لکھاہے کہ " ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ (بولد) اسمہ مسیح" گویا کہ آپ اپنی عبارت سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ " کلمہ" بدل ہے لفظ" ولد" کا جو بالکل غلط ہے کیونکہ کلمہ مونث ہے اور ولد مذکر ہے۔ یہ ایک دوسرے کے بدل نہیں ہوسکتے۔

تیسری غلطی آپ کی یہ ہے کہ آپ نے " اسمہ مسیح" میں سے " مسیح" کے شروع سے الف لام کو حذف کرکے آیت کو بے زینت کردیا۔ اگر آپ کو الف لام کے استعمال کے قوانین معلوم نہ تھے تو آپ اس کو حکائی صورت میں " اسمہ المسیح" لکھ سکتے تھے۔ لیکن بے خبری کا کیا علاج!

نیاز صاحب کا اپنے منہ سے اقرار کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے

اب میں ان تمام نحوی نکات سے قطع نظر کرکے کہتا ہوں کہ یہ تمام اصول غلط ہیں بلکہ نیاز صاحب صحیح اور درست فرماتے ہیں کہ یبشرک کے بعد" بولد" محاردف ہے ۔ پس آیت زیر غور کی صحیح صورت یہ ہوگی کہ " ان اللہ یبشرک بولد منہ " یعنی اے مریم خدا تجھ کو اپنے بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح ہوگا اور لقب ابن مریم " ۔ درحقیقت ہم مسیحیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسیح کو جو انجیل مقدس میں " کلام " کہا گیا ہے اس کے معنی"ابن اللہ " کے ہیں۔ انجیل شریف میں اس کے سینکڑوں شواہد موجود ہیں یہ ہے " اس قوت برتر واعلیٰ" کی حکمت جس نے آپ ہی کے منہ سے کہدیا کہ " مسیح خدا کا بیٹا ہے" فالحمد اللہ علی ذالک۔

شکر اللہ کہ میاں ہن و تو صلح فتاو۔

وَلَمْ يَمْسَسْنِي بشر پر بحث

اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

" آل عمران کی دوسری آیت جو اس امر کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے یہ ہے:

قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ

ترجمہ: مریم نے کہا اے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے دراں حالیکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا ۔خدا نے دراں حالیکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا ۔خدا نے یہی ہوگا ۔ اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جب وہ کسی کام کو ٹھہرالیتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہوجا اور وہ ہوجاتا ہے۔

مریم کا یہ کہنا کہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا اس بات کا ثبوت نہیں کہ عیسیٰ کے کوئی باپ نہ تھا کیونکہ مریم کا تعلق ازدواج تو یقیناً اس سے ثابت ہے کہ ان کے اور اولادیں بھی تھیں پھر جس طرح اور اولادیں تعلق ازدواج کے بعد ہوئیں اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی ہوگی ۔البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جس وقت مریم کو بشارت دی گئی اس وقت تک اس کا نکاح نہ ہوا ہوگا۔ اور اسی لئے انہوں نے کہا کہ تجھے تو اب تک مرد نے نہیں چھوا ہے لیکن بعد کو تعلق ازدواج قائم ہوا اور حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔"

ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں شروع ہی سے کہتا آیا ہوں کہ جو کچھ حضرت نیاز نے لکھا ہے وہ ان کی دماغ سوزی اور عرقریزی کا نتیجہ اوران کے ذہن رسا کا خلاصہ نہیں بلکہ سرسید مرحوم اور مولانا محمد علی صاحب کی عبارات کی نقلیں ہیں جن کو وہ اپنی طرف نسبت دیتے ہیں۔ عبارت بالا بھی انہی سنگلاخوں میں سے ایک سنگ ریزہ ہے جس کو حضرت نیاز نے غلطی سے درشہوار سمجھ کر نقل کیا ہے مولانا مولوی محمد علی صاحب آیت مافوق کی تحت میں لکھتے ہیں کہ:

لمہ یمسسنی بشر سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ آئندہ بھی مریم کو بشر نے نہیں چھونا تھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی ولادت کے مسئلہ کو اگر متنازع بھی مانا جائے کہ وہ بغیر مس بشر کے پیدا ہوئے تھے یا مس بشر سے یہ امر بہر حال مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ کے اور بھی بھائی اور بہنیں تھیں وہ تو آخر مس بشر سے ہی پیدا ہوئے تھے ۔ پس ولمہ یمسسنی بشر صرف گذشتہ

کے متعلق ہے اور آئندہ کے لئے نہیں" (نوٹ نمبر ۴۴۱ نکات القرآن اردو ترجمہ القرآن نوٹ ۴۲۷)۔

میں اس مضمون پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کب ہوئی۔ آیا نکاح کے قبل یا اس کے بعد۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۶ پر مفصل کرچکا ہوں یہاں اس کے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں مجھے یہ دکھانا ہے کہ حضرت نیاز کو نہ صرف سرسید مرحوم سے اختلاف ہے بلکہ ان کے دوسرے صاحب ماخذ مولانا محمد علی صاحب کے قبلہ و کعبہ حضرت مرزا صاحب آنجہانی غفر اللہ ذنوبہ سے بھی سخت اختلاف ہے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن دانی میں ان کی ہمسری کا دعویٰ کوئی نہیں کرسکتا ہے۔ مرزا صاحب آنجہانی غفر اللہ ذنوبہ اپنی کتاب کشتی نوح کے صفحہ ۱۶ میں لکھتے ہیں کہ:

" اور مریم کی وہ شان ہے جس نے ایک حد تک اپنے تئیں نکاح سے روکا۔ پھر بزرگان قوم کے نہایت اصرار سے بوجہ حمل کے نکاح کرلیا۔ گو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ برخلاف تعلیم تورات میں عین حمل میں کیونکر نکاح کیا گیا اور بتول ہونے کے عہد کو کیوں ناحق توڑا گیا ہے؟ ،،،، مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب مجبوریاں تھیں جو پیش آگئیں"۔

آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ جناب کے صاحبِ ماخذ کے مرشد کس صفائی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت مریم صدیقہ نے بوجہ حمل کے نکاح کرلیا"۔ یعنی ان کے نکاح کرنے کا سبب " حمل " ہے جو " نکاح" پر مقدم ہے۔ اب سوال یہ باقی رہیگا کہ ان کو یہ حمل کس طرح ہوا؟ آریہ سماجی علیہم ما علیہم یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ " ناجائز طور پر ہوا" (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۶۲۹ باب ۱۳) سرسید مرحوم کہتے ہیں کہ منگنی کی حالت میں یوسف سے ہوا" (دیکھو اس کتاب کے صفحہ ۲۷) آپ اور آپ کے صاحبِ ماخذ مولوی محمد علی صاحب فرماتےہیں کہ "نکاح کے بعد ہوا ہوگا" جس کی مرزا صاحب آنجہانی غفر اللہ ذنوبہ تردید کرتے ہیں۔ اور تمام مفسرین عظام و تمام محدثین کرام و کل متکلمین علامہ اور تمام کتُب سماویہ ذی المجد والاحترام یہ کہہ رہے ہیں کہ " خدا کی قدرت سے ہوا" انجیل مقدس کے بعض حوالجات تو ہم اس کتاب کے صفحہ ۲۶ میں لکھ چکے ہیں۔ مفسرین و محدثین و متکلمین اسلام کے اقوال اس لئے پیش نہیں کرسکتے کہ کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائیگی۔ اگر ہمارے کرم فرما مطالبہ کریں تو ایک جداگانہ رسالہ کی صورت میں پیش کئے جاسکینگے۔ اب صرف قرآن کریم کی آیت مافوق پر بحث کرنا اور حضرت نیاز کی غلطی کا اظہار کرنا باقی رہ گیا ہے سو وہ بھی سن لیجیئے۔

مسیح کی ولادت بے پدر کے پانچ ثبوت

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ پیدا ہونیکا پہلا ثبوت لفظ کذالک

یہ ایک حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ایک عصمت مآب و عفت انتساب کنواری لڑکی سے اگر یکایک یہ کہا جائے کہ " تیرے لڑکا ہوگا" تو اس عفیفہ کی حیرت اور استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہیگی۔ یہی واقعہ حضرت مریم کو" اس وقت درپیش آیا" جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی"۔ تو مریم صدیقہ بے حد متحیر ہوئیں اور اپنی حیرت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا" کس طرح میرے لڑکا ہوگا جبکہ کسی مرد نے مجھے چھوا تک بھی نہیں ہے۔" اب اگر خدا کو یہ منظور ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت تعلق ازدواج کے قائم ہونے کے بعد مساس بشری سے ہو تو مریم صدیقہ کو جواب میں یہ کہنا چاہیے تھا" ویمسسک" یا نہایت واضح سورت میں " بشر" پر الف لام عہد ذہن بڑھا کر یوں کہنا چاہیے تھا کہ " ویمسسک لبشر" یعنی تیرا خاوند تجھے چھوئیگا" لیکن فرشتہ اس قسم کے تمام جملوں سے جن سے مریم صدیقہ کا تعلق ازدواج ثابت ہو اعراض کرتا ہے اور یہ بات نہ تو میری سمجھ میں آتی ہے اور نہ دنیا کے کسی عقلمند شخص کی سمجھ میں آسکیگی کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت " تعلق ازدواج" کے ذریعہ سے ہونے والی تھی تو فرشتہ نے اس سے کیوں اعراض کیا اور کیوں صاف صاف نہ بتلایا؟ لیکن خدا کو تو یہ منظور تھا کہ حضرت

عیسیٰ کی ولادت مواصلت ومواقعت بشری کے بغیر محض اس کی قدرت کے اظہار کے طورپر ہو۔ چنانچہ فرشتہ نے اسی امر کا اظہار مریم صدیقہ پر بدیں الفاظ کیا کہ "کذالک" ہمارے فاضل مخاطب نے جو عربی دانی پر بہت ہی نازاں معلوم ہوتے ہیں کہ "کذالک" کے متعلق جو کچھ مبرو قلم فرمایاہے وہ عربی دان اصحاب کے لئے من لطائف الادب سے کمتر تحسین آفرین نہیں ہے آپ لکھتے ہیں کہ:

" یہاں پر ایک اور نکتہ قابلِ غور ہے وہ یہ کہ " قال کذالک" آگے کی عبارت" اللہ یخلق مایشاء" سے متعلق ہے یا نہیں۔ سورہ مریم میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں لیکن اس طرح قال کذالک ، قال ربک ھو علی ھین" اس سے یہ معلوم ہوتاہے کہ جس طرح سورہ مریم میں قال کذلک علیحدہ ہے اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی اور اس صورت میں اس کا مطلب ہوگا کہ جب مریم نے کہا کہ میرے کیسے بیٹا ہوگا جبکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا تو فرشتہ نے کہا " کذالک" (ایسا ہوگا) یعنی تمہیں مرد چھوئیگا اور تمہارے اولاد ہوگی"۔

جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ " قال کذالک علیحدہ ہے" اور پھر " کذالک" کا ترجمہ " ایسا ہوگا" کرے ۔ عربیت کی مٹی پلید کرنا اگر مقصود نہیں ہے تو اور کیا ہے ؟ ہمارے کرم فرما کو تو اتنا بھی معلوم نہیں کہ " کذالک" کیا بلا ہے ۔ اسم ہے فعل ہے۔ حرف یا مفرد ہے یا مرکب ہے ۔ کیا ہے یا کیا نہیں ہے۔ آپ نے قرآن مجید کے کسی اردو ترجمہ میں کذالک" کے نیچے " ایساہوگا" دیکھ لیا ہوگا صحیح یاغلط برگردن مترجم کہہ کر یہاں لکھ دیا۔ بس آپ عربی دانوں میں شامل ہوگئے۔

قبلہ ! " کذالک " بنظر تفصیل مرکب ہے ان اجزا سے :(ک) حرف تشبیہ (ذا) اسم اشارہ قریب" (ل) حرف تبعید" (ک) حرف خطاب سے وبنظر جما(ک) حرف تشبیہ و(ذالک) اسم اشارہ بعید سے ۔ ان دونوں صورتوں میں " کذالک " کے ترجمہ میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا واجب ہے یعنی (۱) مشبہ بہ اور (۲) مشارالیہ کا ۔ پس " کذالک " کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ " جیسا میں نے کہا ہے اسی حالتِ عدم مساس بشری میں تیرے لڑکا ہوگا۔" اور اگر حالت عدم مساس بشری مشارالیہ نہیں ہے تو جملہ اللہ یخلق مایشاء و کن فیکون بے معنی ہوجاتے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ دو نوجملے امر فوق العادۃ کے واقعہ ہونے پر استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً جب حضرت زکریا نے کہا کہ " اے پروردگار کس طرح میرے لڑکا ہوگاحالانکہ میں بوڑھا ہوچکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے" تب اللہ نے فرمایا اسی حالت[1] میں لڑکا ہوجائیگا کیونکہ اللہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے اس کو کر گزرتا ہے ۔" (عمران آیت ۳۵ ترجمہ از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) اسی طرح قرآن مجید میں جتنی دفعہ جملہ کن فیکون استعمال ہوا ہے اتنی دفعہ امر خرق العادۃ کے واقع ہونے کا اظہار کرتاہے ۔ میں قارئین کی سہولت کے لئے ذیل میں ان مقامات کے نشان لکھونگا جہاں جہاں یہ جملہ واقع ہوا ہے ۔ اورالتماس کرتا ہوں کہ ہر ایک مقام کو غور سے پڑھ کر تصفیہ کریں کہ میں حق بجانب ہوں یا حضرت نیاز۔ وہ مقامات یہ ہیں :

قرآن مجید سورہ ۲ آیت ۱۱۱ ، سورہ ۳ ۱ ۱ آیات ۴۲، ۵۲- سورہ ۶ آیت ۷۶- سورہ ۶ ۱ آیت ۴۲- سورہ ۹ ۱ آیت ۳۶- سورہ ۳۶ آیت ۸۲- سورہ ۴۰ آیت ۷۰-

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ پیدا ہونے کا دوسرا ثبوت لفظ "ھیّن"

اگرچہ ایک حق گو اور حق پسند شخص کے لئے ثبوت مافوق کافی سے زیادہ تشفی وہ امر ہے ۔ لیکن میں نے یہ التزام کیا ہے کہ چند ایسی موٹی موٹی باتیں جن کو حضرت نیاز کا ذہن بخوبی قبول کرسکے ولادت مسیح کے متعلق مسلسل پیش کروں۔ چنانچہ لفظ" ھین" اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ فرشتہ مریم صدیقہ کے پاس آکر کہتا ہے کہ " انا رسول ربک لاھب لک

[1] میں نے آیت مافوق کا ترجمہ ارادۃ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی متعنا اللہ بطول حیاتہ کے ترجمہ قرآن کریم سے نقل کیاہے تاکہ عربی دانوں اور نقالوں میں فرق معلوم ہوسکے حکیم الامتہ حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب چونکہ زمانہ حاضرہ کے یکتا اور ممتاز عالم ہیں اس لئے آپ نے کذالک ومشاری الیہ" اسی حالت میں گو بتلایا ہے جس طرح میں نے" حالت عدم مساس بشری بتلاتیاہے۔(سلطان)

علاماً زکیا(میں بھیجا ہوں تیرے رب کا دے کہ جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا اس کو سن کر مریم صدیقہ کہتی ہیں کہ ان یکون لی غلاماً ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا(کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار بھی نہ تھی) اس کے جواب میں فرشتہ کہتا ہے کہ کذالک قال ربک ھو علی ھین" (اسی حالت میں جیسا میں نے کہا تیرے لڑکا ہوگا۔ فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے۔) لفظ ھین اس مقام پر خدا کی عظمت اور اقتدار کے اظہار کے لئے واقع ہوا ہے ۔ یعنی جس بات کو مریم صدیقہ محال تصور کرتی تھیں اسی بات کے متعلق خدا کہتا ہے کہ میں اس کے کرنے پر قادر ہوں کیونکہ " وہ مجھ پر آسان ہے۔" اگر اس پیشینگوئی کا تعلق " تعلق ازدواج" کے بعد سے ہوتا تو اس قول سے کہ "وہ مجھ پر آسان ہے" خدا کی فضیلت اور تفوق ثابت نہیں ہوسکتا ہے ۔ کیونکہ "آسان" کو "آسان "کہنا نہ صرف خدا کا کام ہے بلکہ انسانوں کا بھی کام ہے۔ پس اگر ہم آپ کے قول کو صحیح مان لیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا کی مجبوری اور عاجزی کا اقرار کریں۔

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ پیدا ہونے کا تیسرا ثبوت" وکنت نساً نسیاً"

ہر ایک وہ شخص جس کو خدا نے دیدہ حق بین عنایت کیا ہے سورہ مریم کی اس آیت کو کہ قالت یالتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً جب غور سے پڑھیگا تو یقیناً اس سے یہی سمجھیگا کہ مریم صدیقہ کے یہ رنج اور حزن کے کلمے وضع حمل کی تکلیف کی وجہ سے سرزد نہیں ہوئے بلکہ محض بدنامی کے ڈر سے۔ کیونکہ خدا نے عورت کی سرشت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ اولاد کے پیدا ہونے میں اس قدر خوشی محسوس کرتی ہے کہ اس کے بالمقابل تمام تکالیف کو نہایت صبر اوستقلال کے ساتھ برداشت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک عورت بھی بوقتِ وضع حمل یہ نہیں کہتی ہے کہ "کاش اس تکلیف سے پہلے میں مرچکی ہوتی"۔ میں نے چند مستند اور نہایت تجربہ کار لیڈی ڈاکٹروں سے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا کہ آیا ان میں سے کسی نے بوقت وضع حمل کسی عورت کے منہ سے اس قسم کے کلمے سُنے ہیں۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ بلکہ ان میں سے ایک نہ تو یہاں تک کہا کہ میں ایسی حاملہ عورت کے پاس رات دن رہی ہوں جن دو دو تین تین دن تک بے حد تکلیف ہوتی رہی لیکن کسی کے منہ سے میں نے ایسے کلمے نہیں سنے ۔ ایک لیڈی ڈاکٹر صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ بوقت وضع حمل عورتوں کو بیشک تکلیف ہوتی ہے لیکن ان عورتوں کو جو محنت کی عادی ہوتی ہیں بہت کم تکلیف ہوتی ہے یہاں تک کہ دہاتی عورتیں وضع حمل کے بعد فی الفور اپنے کام کاج میں لگ جاتی ہیں۔

المختصر مریم صدیقہ کے یہ کلمے کہ " اے کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی" وضع حمل کی تکلیف پر نہیں بلکہ بدنامی کے خوف پر دلالت کرتے ہیں۔ اور الفاظ بھولی بسری ہوگئی ہوتی" اس کی مزید تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر ہم مریم صدیقہ وضع حمل کی تکلیف کی وجہ سے یہ کہتیں تو ان کا کہنا کافی ہوتا کہ" اے کاش میں اس سے پہلے مرچکی ہوتی لیکن یہ کہ میرا نام دنیا کے ذہن سے محو ہوجائے اور تاریخ کے صفحات سے مٹ جائے ایسے الفاظ میں جو خاص بدنامی کے خوف پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ پیدا ہونے کا چوتھا ثبوت "وجعلنا با انبھا ایۃ للعلمین"

ہمارے کرم فرمانے سورہ انبیاء کی اس آیت کو کہ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ (۹۱) سرسید مرحوم کی تفسیر سے نقل کرکے کسی قدر کم وبیشی کے ساتھ انہی کے الفاظ میں اس کے دو لفظوں (نفخ زنخ واحصنت) پر یوں بحث کی ہے کہ:

" ان آیات یا اسی مفہوم کی دوسری آیتوں میں جو جدید لفظ قابلِ غور ہے وہ " نفخ روح" ہے بعض کا خیال ہے کہ خدا کا یہ کہنا کہ ہم نے روح پھونکی " اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ عیسیٰ

صرف روح اللہ تھے اور ان کے کوئی باپ نہ تھا۔ لیکن یہ استدلال حد درجہ ضعیف ہے کیونکہ خدا نے ہر انسان کی پیدائش کا باعث نفخ روح قرار دیا ہے۔ خلق الانسان من طین ثمہ جعل نلسہ من سلالۃ من صاء ھین ثمہ سواء و نفخ فیہ من روحہ۔

علاوہ ازیں اس کے سورہ انبیاء کی آیت ۹۱ سے بھی جو اوپر درج کی گئی ہے۔ یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ مریم شوہر والی تھیں۔ کیونکہ اس میں لفظ احصنت استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی آپ کو محصنہ بیان کیا گیا ہے اور محصنہ اس عفیفہ کو کہتے ہیں ۔جو شوہر رکھتی ہو۔ کنواری کو عربی زبان میں محصنہ نہیں کہتے ہیں۔ اس آیت میں جو مریم کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو اس سے یہ مقصود ہے کہ انہوں نے سوائے اپنے شوہر کے اور مردوں سے احتراز کیا نہ یہ کہ اپنے شوہر سے بھی۔ چونکہ بعض یہودی آپ پر زنا کی تہمت رکھتے تھے اس لئے خدا نے کلام مجید میں ان کی عفت کی شہادت دی ۔یہاں ایک نکتہ اور قابلِ غور ہے وہ یہ کہ یہودیوں نے زنا کی تہمت یوسف نجار کے ساتھ کبھی نہیں لگائی بلکہ ای ایک اور شخص پنتھرانالی(؟) کے ساتھ منسوب کی تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یوسف نجار کا شوہر ہونا اس وقت سب کو معلوم تھا اور اس کے ساتھ تہمت نہیں لگاسکتے تھے۔"

آیت مافوق میں جو جملہ سب سے زیادہ قابلِ غور ولائق بحث تھا وہ یہ ہے کہ " وجعلنا ھاوابنھا ایۃ للعلمین ۔" لیکن افسوس ہے کہ نہ تو سرسید مرحوم کو اس پر بحث کرنے کی جرات ہوئی اور نہ ہمارے کرم فرما کو اور نہ ان کے دیگر دوی المواخذ کو قبل اس کے کہ میں اس پر بحث کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نیاز کی دو غلطیاں جو عبارت بالا میں ظاہر کی گئی ہیں بے نقاب کروں۔

پہلی غلطی

آپ کی پہلی غلطی یہ ہے کہ " آپ انسان کی پیدائش کا باعث نفخ روح" بتلاتے ہیں۔ اور آیت خلق الانسان لخ سے اس پر دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں " انسان کی پیدائش " کی علت "طین" (مٹی) اور اس کی نسل " کی پیدائش" کی علت ناء مھین " (نطفہ) بیان کی گئی ہے ۔ اور" نفخ روح " کا واقعہ اس کے تسویہ کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ آپ عربی نہیں جانتے ہیں اس لئے آپ سے بار بار لغزش ہوتی ہے۔ اس آیت میں " ثم" حرف عطف ہے جو تراضی اور مہلت کے لئے مخصوص ہے۔ یعنی انسان کی تخلیق کے کچھ دیر بعد" اس میں اپنی روح پھونکی " ۔ سرسید مرحوم چونکہ عربی دان اور اس نکتہ سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اس آیت سے اس پر استدلال کیا ہے کہ " تمام انسانوں کی نسبت خدائے تعالیٰ نے نفخ روح کہا ہے " (تفسیر القرآن سورہ عمران صفحہ ۴۳) کاش کہ آپ سرسید مرحوم کی اس عبارت کو بلفظہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ۔ زیرا کہ پیدائش چیزے دیگراست و نفخ روح چیزے دیگر یعنی پیدا ہونا اور ہے اور روح کا پھونکنا اور۔

دوسری غلطی

آپ کی دوسری غلطی لفظ" محصنہ " کی تعریف ہے آپ لکھتے ہیں کہ محصنہ اس عفیفہ کو کہتے ہیں جو شوہر رکھتی ہو الخ" ۔ جو سراسر غلط بلکہ الغلط ہے۔ میں بار بار گذارش کرچکا ہوں کہ آپ عربی نہیں جانتے ہیں ناحق اس وادی پر خار میں پابرہنہ سرگردان پھرتے ہیں۔ آپ کے استادِ ازل یعنی سرسید مرحوم بھی بحوالہ تفسیر کبیر اس کا اطلاق زنِ شوہر دار وزن بے شوہر دونو تسلیم کرتے ہیں (دیکھو تفسیر القرآن سورہ آل عمران صفحہ ۲۳، ۲۴) نیز قاموس منتہی الارب وصراح میں بھی اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ " زن پارسا یا شوہر دار" وامراۃ حصان کسحاب عفیفتہ اومتزوجہ" یعنی حصان اس عورت کی صفت ہوتی ہے جو پارسا ہوا یا شادی شدہ ہو۔" یہ توصیفی معنی ہوئے ۔ اور اس کے فعلی معنی حفاظت کرنے کو ہوتے ہیں۔ مثلاً احصنت فرجھاد " (مریم نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی) پس فعلی معنی میں بھی اس کا اسناوزنِ شوہر دار بے شوہر دار و بے شوہر دونو کی طرف ہوتا ہے ۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ کنواری کو عربی زبان میں محصنہ نہیں کہتے ہیں " بالکل غلط ہے۔ باقی رہا یہ کہ مریم صدیقہ شوہر دار

تھیں یا نہیں اس پر ہم اوراق گذشتہ میں بالتفصیل بحث کرچکے ہیں جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جناب کا یہ کہنا کہ " بعض یہودی آپ پر زنا کی تہمت رکھتے تھے۔ الی بلکہ ایک اور شخص پنتھرانالی کے ساتھ منسوب کی تھی" گوزشتر سے کم نہیں ہے۔ جب آپ اس کو کسی مستند تاریخی حوالہ سے ثابت کرینگے اس وقت میں اس حقیقت کو بھی بے نقاب کرنے کے لئے تیار ہونگا۔

اب میں اپنے محترم مخاطب اور آپ کے مجملہ ہم خیال سے پوچھتا ہوں کہ آیت مافوق میں وجعلنا ھاوابنھا اٰیۃ للعٰلمین (اور کیا اس کو اور اس کے بیٹے کو ہم نے نشانی جہان والوں کے لئے) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو بیشک بوجہ رسالت و تعلیم معجزات آیتہ للعالمین ہوسکتے ہیں لیکن مریم صدیقہ کے آیتہ للعالمین ہونے کی کیا وجہ ہے ؟ بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ خدا کی قدرت سے آپ بلامساس بشری حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے بطن مبارک سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ۔ یہ ایک ایسی " نشانی " ہے جس کی مثل دنیا میں نہیں مل سکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا پانچواں ثبوت " وبراً بوالدتی "

ہمارے مہربان حضرت نیاز تحریر فرماتے ہیں کہ :

" بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کلام مجید میں ہر جگہ عیسیٰ کو ابن مریم کہا گیا ہے ان کے باپ کا نام کسی جگہ درج نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے ۔ لیکن یہ استدلال غلط ہے کیونکہ کلام مجید جب نازل ہوا تو عیسیٰ اس وقت ابن مریم ہی کی کنیت سے مشہور تھے اور اسی لئے مخاطبت میں اس لفظ کو قائم رکھا علاوہ اس کے مگر کلام مجید جب نازل ہوا تو عیسیٰ اس وقت ابن مریم ہی کی کنیت سے مشہور تھے " بالکل بے بنیاد ہے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بجز" ابن آدم" کے اور کسی کنیت سے مشہور نہ تھے۔ (دیکھو اناجیل اربعہ) نیز آپ کا یہ فرمانا بھی غلط ہے کہ " موسیٰ کی پیدائش کے ذکر میں بھی ان کے باپ کا نام نہیں لیا گیا۔" کیونکہ قرآن مجید میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے " باپ کا نام" موجود ہے دیکھئے آپ کے متقدء اسر سید مرحوم اپنی تفسیر میں کیا لکھتے ہیں کہ " تو کچھ شبہ نہیں رہتا کہ اس مقام پر عمران سے موسیٰ وہارون کے باپ مراد ہیں" (آیت ۳۰ سورہ عمران) لیکن حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام نہ تو ان کی پیدائش کے ذکر میں اور نہ پیدائش کے بعد کے اذکار میں لیا گیا ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

خیر ! جانے دیجئے کہ حضرت موسیٰ کے باپ کا نام قرآن مجید میں موجود ہے یا نہیں ۔ لیکن اس آیت کا آپ کے پاس کیا جواب ہے کہ برا بوالدا تی ولمہ یجعلنی جباراً اشقیا(سورہ مریم)۔ حضرت عیسیٰ کا اگر باپ ہوتا تو ان کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ "وبراً بولادتی" چنانچہ قرآن مجید میں یہی الفاظ حضرت یحییٰ کے والد بھی تھے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ کا باپ ہوتا تو ضرور تھا کہ وہ آیت مافوق میں ان کا بھی ذکر کرتے کیونکہ عدم ذکر سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا سلوک اپنے والد کے ساتھ اچھا نہ تھا اور یہ ان کی شانِ رسالت کے برخلاف ہے لیکن چونکہ وہ بغیر والد کے پیدا ہوئے تھے اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا۔

چونکہ حضرت نیاز کے متعلق میرا یہ گمان ہے کہ آپ نہایت لائق اور فائق ہیں اس لئے ثبوت ہائے مافوق کو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ورنہ قرآن مجید کی ان آیات میں جن میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا ذکر ہے وہ حقائق ومعارف بھرے ہوئے ہیں جن کی تفصیل کے لئے ایک ضیغم کتاب کی ضرورت ہے۔

حرف "ف" ولفظ "کان" پر بحث
اور حضرت نیاز کے متضاد اقوال

سلسلہ مضمون کو جاری رکھتے ہوئے حضرت نیاز تحریر فرماتے ہیں کہ:

"آپ سورہ مریم کی آیتوں پر غور کیجئے۔

اذات بدت ہن اھلجا بہ مکانگر شرقیاء مکان شرقی سے مراد حضرت مریم کی خوابگاہ ہے یاان کی عبادت کی جگہ جہاں بحالت خواب ان کو فرشتہ نظر آیا اوراس سے وہی گفتگو ہوئی جس کا ذکر سورہ آل عمران میں پاچکا ہے۔ آگے چل کر ولجعلہ ایۃ للناس رحملہ منا کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں ۔ لیکن ان کا تعلق حضرت عیسیٰ کی آئندہ زندگی اور نبوت سے ہے نہ کہ ولادت وطریق ولادت سے۔

اس کے بعد مریم کے حاملہ ہونے کا اور ان کے چلے جانے کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔
فحملتۃ فانتبذت بہ مکانا ناقصیا۔ جب قرآن مجید میں کوئی قصہ یاواقعہ بیان کیاجاتاہے تو درمیان کی غیر ضروری کڑیاں چھوڑ کر خاص خاص باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ لیکن بعض لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح واقعات بیان ہوئے ہیں وہ سب مسلسل اور فوراً وقوع میں آئے ہیں۔ سورہ مریم میں پہلے مریم کا فرشتہ کو دیکھنا ۔ بیان ہوا ہے اور اس کے بعد ہی حاملہ ہونے وضع حمل کی تکالیف میں مبتلا ہونے ، عیسیٰ کو اپنی قوم کے پاس لانے اور عیسیٰ کا لوگوں سے گفتگو کرنے کے واقعات بیان ہوئے ہیں لیکن یہ تمام جملے ف سے شروع کئے گئے ہیں جس سے ترتیب واقعات تو ضرور ظاہر ہوتی ہے لیکن قرب زمانی سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام واقعات فوراً ہوگئے یعنی فرشتہ کا آنا، مریم کا حاملہ ہونا، وضع حمل ہوجانا اور مسیح کا بولنا یہ سب ایک ہی ساعت یا دن میں ہوگیا۔ حالانکہ مقصود وصرف واقعات کو اس ترتیب سے ظاہر کرنا ہے نہ یہ کہ وہ فوراً وقوع میں آگئے۔

سورہ مریم کی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتاہے کہ مریم حاملہ ہونے کے بعد کسی دور جگہ چلی گئیں اور تحقیق سے معلوم ہوتاہے کہ وہ جگہ ناصرہ تھی یا مصر جہاں وہ اپنے نسبتی شوہر یوسف نجار کے ساتھ تشریف لے گئیں۔ اس کے بعد آیت " فاجاء الخاص" سے شروع ہوتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وضع حمل جنگ میں کسی بلند مقام پر ہوا۔ جب کہ مریم حالت سفر میں تھیں اور وضع حمل کی تمام وہ تکالیف آپ پر طاری ہوئیں جو عام طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ گویا دوسرا ثبوت اس امر کا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت اسی طرح ہوئی جس طرح عام طور پر تمام بچوں کی ہوتی ہے ۔ پھر دو آیتیں جن میں حضرت مریم کا عیسیٰ کو اپنی قوم کے پاس لانا وغیرہ بیان ہواہے۔ اوران میں بعض لفظ تو ضرور غور طلب ہیں۔ ہم ان کو مکرر درج کرتے ہیں۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا(سورہ مریم ۲۷ تا ۳۱)۔

ان آیات کا مفہوم یہ ہے ک جب مریم حضرت عیسیٰ کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا اے مریم یہ تم عجیب چیز لے کر آئی ہو حالانکہ نہ تمہارا باپ براتھا۔ اور نہ تمہاری ماں خراب تھی۔ یہ سن کر انہوں نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھو۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو گھوارہ کا بچہ تھا۔ اس پر عیسیٰ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی گئی ہے اور میں نبی بنایا گیاہوں وغیرہ وغیرہ۔

غور طلب امر یہ ہے کہ قوم نے کیوں کہا کہ تم عجیب چیز لے کر آئی ہو۔ اور کیوں مریم کے باپ کے متعلق یہ کہا کہ وہ خراب نہ تھے اسی کےساتھ مریم کا عیسیٰ کی طرف اشارہ کرنا اور قوم کا یہ کہنا کہ ہم بچہ سے کیا بات کریں اور پھر حضرت عیسیٰ کا گفتگو کرنا ان تمام

باتوں کی کیا اصلیت ہے؟ عام طور پر ان آیات کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی مریم اس کو قوم کے پاس لے آئیں اور چونکہ مریم کی شادی کسی سے نہ ہوئی تھی۔ اس لئے ان کو بچہ پیدا ہونے پر تعجب ہوا اور انہوں نے مریم پر یہ الزام لگایا کہ تمہارے ماں باپ تو ایسے نہ تھے۔ یہ تم نے کیا حرکت کی کہ ناجائز بچہ پیدا ہوا۔ لیکن حضرت عیسیٰ نے وہیں گود یا گھوارہ سے قوم کو مخاطب کیا جو ان کا ایک معجزہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ خود انہیں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ جب اپنی قوم کے پاس لائے گئے تو بچہ تھے اور نہ مریم پر لوگوں نے ناجائز مولود پیدا کرنے کا الزام لگایا تھا۔

وہ لوگ جو یہ بیان کرتے ہیں کہ کہ مریم ان کو بالکل حالت طفلی یا شیر خوارگی میں لائیں وہ ثبوت میں لفظ متحلہ کو پیش کرتے ہیں یعنی مریم حضرت عیسیٰ کو لائیں اس حال میں کہ وہ انہیں اٹھائے ہوئے تھیں یا گود میں لئے ہوئے تھیں۔ ایسا کچھ ناغلطی ہے کیونکہ خود کلام مجید میں دوسری جگہ یہی لفظ ہے اور وہاں گود میں لینے کی معنی نہیں ہیں بلکہ کسی سواری پر لیجانے کے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورہ برات آیت ۹۳۔

ولا علیٰ الذین اذما توک لتحم قلت لا اجد ما احکمہ علیہ .

اس لئے یہاں بھی یہ معنی ہوئے کہ مریم حضرت عیسیٰ کو سواری پر لائیں۔ علاوہ اس کے جو گفتگو حضرت عیسیٰ نے کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عیسیٰ پیغمبر ہو چکے تھے اور ان کو کتاب الہیٰ مل چکی تھی۔ اور یہ امر ظاہر ہے آپ کو نبوت تیس سال کی عمر میں ملی ہے۔ اسی کے ساتھ قوم کا یہ کہنا کہ اس سے کیا بات کریں جو گھوارے میں بچہ تھا (یعنی انہوں نے لفظ کان کا استعمال کیا ہے جس سے زمانہ ماضی ظاہر ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ فی الحال گھوارہ کے بچے ہیں) اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت عیسیٰ بچہ نہ تھے۔

اب رہا یہ امر کہ قوم کا مریم سے کہنا کہ تم عجیب چیز لائی ہو اور یہ کہ تمہارے ماں باپ خراب نہ تھے سو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کہ ان پر ناجائز مولود پیدا کرنے کا الزام لگایا تھا۔ اور ان کا کوئی شوہر نہ تھا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ یہودیوں کے عقائد کے خلاف تلقین کرتے تھے اس لئے انہوں نے لفظ فرسیا استعمال کیا جس کے معنی ایسے شخص کے ہیں جو عجیب وغریب باتیں کرے یا دکھائے یعنی انہوں نے کہا کہ اے مریم یہ کیسا بیٹا تم نے جنا ہے جو ہمارے معتقدات کی اس قدر توہین کرتا ہے حالانکہ تمہارے ماں باپ تو ایسے نہ تھے۔

یہ سن کر مریم نے کہا کہ اسی سے پوچھو جس پر اہل قوم نے کہا کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو کل گھوارہ میں کھیلتا تھا۔ اس سے مقصود گویا عیسیٰ کی توہین تھی اور ان کی ناتجربہ کاری کو ظاہر کرنا اس کے جواب میں جو کچھ عیسیٰ نے کہا وہ قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ لوگوں نے مریم پر زنا کی تہمت نہیں لگائی اور نہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ نے جو کچھ جواب میں کہا ہے اس میں کہیں اپنی ماں کی برات کا ذکر نہیں ہے۔ ورنہ یہ الزام لگایا گیا ہوتا اور قوم یہ تہمت مریم پر رکھتی تو اس کے متعلق بھی آپ کچھ کہتے لیکن آپ نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سب کو عیسیٰ کی ولدیت کا پورا علم تھا۔ اور یوسف نجار کے ساتھ مریم کے منسوب ہونے کو سب جانتے تھے اس لئے وہ تہمت رکھ ہی نہیں سکتے تھے اور اسی بنا پر حضرت عیسیٰ کو اپنی ماں کی برات اور اپنی ولادت کے متعلق کسی بیان کے پیش کرنے کی ضرورت لاحق ہی نہیں ہوئی۔"

اگرچہ عبارت بالا میں کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کا جواب ہم نہ دے چکے ہوں لیکن اس میں دو ایک باتیں ایسی ہیں کہ اگر ہم ان پر کچھ لکھیں تو ممکن ہے کہ کچھ غلط فہمی پیدا ہو جائے۔ آپ سب سے پہلے سر سید مرحوم کی تبعیت میں حرف "ف" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے ترتیب واقعات تو ضرور ظاہر ہوتی ہے لیکن قربِ زمانی سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ "اس سے آپ کو یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ فرشتہ کے بشارت دیتے ہی مریم صدیقہ حاملہ نہیں ہوئیں بلکہ اس کے بعد نکاح ہوا اور نکاح کے بعد حاملہ ہوئیں۔ ہمارے دوست کو اتنا بھی علم نہیں ہے کہ اگر یہ "ف" تربیتی و تعصبی ہے تو اس میں قرب

زمانی" کا ہونا فرض ہے۔ علامہ رضی شرح کافیہ میں اس پر بحث کرتے ہوئے صاف لکھتے ہیں کہ " فائے ترتیبی میں اتصال زمانی کا ہونا بے حد ضروری ہے۔" چنانچہ لکھتے ہیں کہ فمعنی قولک قام زید فعمرو حصل قیا مہ عمرو عقیب قیامہ زید بلافصل ومعنی ضربت زیداً فعمراً وقع المضرب علی عمر وعلیب وقوعہ علی زید کذالک ۔ " یعنی جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ قامہ زید فعمرو . وضربت زیداً فعمراً ۔ تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ زید کے کھڑے ہونے کے بعد ہی بلافصل عمرو کا کھڑا ہونا حاصل ہوا۔اسی طرح زید کے مارنے کے بعد ہی بلافصل عمروپرمار پڑی" قبلہ !جیسے بار بار عرض کرچکاہوں پھر عرض کرتاہوں کہ درحقیقت آپ کو عربی سے کچھ بھی مس نہیں ہے۔مگر آپ عربی سے واقف ہوتے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عربی میں ایک اور حرف عطف (ثمہ) ہے جو ترتیب بالتراخی کے لئے مخصوص ہے۔ پس اگر قرب زمانی کا لحاظ نہ ہو تو بجائے " ف" کے ہر جملہ کے شروع میں " ثمہ" لانا واجب تھا اور آیاتِ زیر بحث کی صورت یوں ہوجاتی کہ ثمہ حملتہ ثمہ النبذت بہ مکانا قصیا الخ"

اب دوسرا امر جس پر بحث کرنا باقی ہے وہ لفظ" کان" ہے جس کے متعلق ہمارے محترم فرماتے ہیں کہ " انہوں نے لفظ" کان" استعمال کیا ہے جس سے زمانہ ماضی ظاہر ہوتا ہے نہ یہ کہ فی الحال گھوارہ کے بچے ہیں۔ قبل اسکے کہ میں اپنے کرم فرما کو یہ بتلادوں کہ اس آیت میں لفظ " کان" ماضی کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ یہ بتلانا مناسب سمجھتا ہوں کہ کلام عرب میں اور نیز خود قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہواہے۔ مثلاً وقولہ تعالیٰ(۱) کان اللہ عفوراً رحیماً وقولہ تعالیٰ(۲) وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرہووقولہ تعالیٰ (۳) لمن کان لہ قلب۔ وغیرہ ذالک ۔ اب اگر ان آیات میں کان کا ترجمہ بصیغہ ماضی کیا جائے تو ان کے ترجمے بالترتیب یوں ہونگے (۱)خدا عفور ورحیم تھا(۲) اگرایک شخص تنگی میں تھا تو کشایش تک اس کو فرصت دینی چاہیے (۳) سوچنے کی جگہ ہے واسطے اس کے جس کے اندر دل تھا۔ دیکھئے کان کا ترجمہ ماضی میں کرنے سے قرآن مجید کے مطالب کچھ سے کچھ ہوگئے۔نہیں جناب بلکہ مضحکہ خیز بن گئے پس آیات بالا میں لفظ کان کا صحیح " ترجمہ " ہے۔(۱) خدا عفور ورحیم ہے۔(۲) ایک شخص تنگی میں ہے تو کسائش تک اس کو فرصت دینی چاہیے ۔(۳) سوچنے کی جگہ ہے واسطے اس کے جس کے اندر دل ہے۔ بعینہ یہی حال ہے آیت من کان فی المھد صبیا کا ۔ اگر اس آیت میں کان کا ترجمہ " تھا" سے کریں تو ایک احمقانہ جملہ بنتا ہے۔ مثلاً ایک شخص آکر زید سے یہ کہتا ہے کہ عمرو سے جا کر پوچھو۔ زید کہتا ہے کہ میں کیونکر عمرو سے پوچھوں" ۔وہ توگھوارہ میں بچہ تھا۔" اب وہ شخص زید کو کیا جواب دے گا۔آخر یہی نا کہ تو بڑا احمق ہے۔ عمرو جب بچہ تھا تب تھا اب تووہ بچہ نہیں ہے۔

اب میں آپ کو بتلاتاہوں کہ " کان" کیا ہے اور کتنے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور آیت زیر بحث میں اس کی کیا حیثیت ہے ۔ کان افعال ناقصہ میں سے ایک فعل ہے جو اپنے اسم کی خبر کوزمانہ ماضی میں ثابت کرتاہے۔ یہ خبر کبھی دائمی ہوتی ہےاور کبھی غیر دائمی۔اور کبھی صرف فاعل پر تمام ہوتاہے اس صورت میں اس کو تامہ کہتے ہیں ۔ اور کبھی زمانہ ہوتا ہے بقول شاعر ! سراۃ بنی ابی بکر تساطی۔ علی کان المسومتہ العراب ۔ علامہ رضی نے کان زائدہ کے لئے اسی آیت میں زیر بحث (من کان فی المھد صبیا) کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔ اور میرے نزدیک بھی اس آیت میں لفظ کان زائد ہے جو صرف تاکید کے لئے آیا ہے۔

ہمارے دوست نے عبارتِ بالا میں بار بار اس کا اعادہ کیا ہے کہ " سو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ ان پر ناجائز مولود پیدا کرنے کا الزام لگایا گیا ۔" لیکن اس سے قبل یہ لکھ چکے ہیں کہ " بعض یہودی آپ پر زنا کی تہمت رکھتے تھے۔۔۔۔بلکہ ایک اور شخص پنتھر اتالی کے ساتھ منسوب کی تھی "(دیکھو اسی کتاب کا صفحہ ۷۴) اب نہ معلوم آپ کے ان متضاد اقوال میں سے کس کو صحیح تسلیم کریں۔

اسلام اور ولادتِ مسیح کا مسئلہ

تقدس مآب جناب امیر جماعت احمدیہ لاہور جن کی پیروی میں حضرت نیاز صاحب قرآن شریف کی کھلی تعلیم سے سراسر بے نیاز ہوگئے ہیں اپنے اردو ترجمہ قرآن یعنی بیان القرآن کے فائدہ نمبر ۷۳۴ میں فرماتے ہیں کہ " عیسائی حضرت مسیح کو بن باپ مانتے ہیں اور مسلمان بھی عموماً ایسا ہی مانتے ہیں۔۔۔۔۔ اگر فی الواقع حضرت مسیح بن باپ پیدا ہوئے تو اس سے مسلمانوں کے عقیدہ میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا کیونکہ ان کو بن باپ پیدا شدہ ماننا ان کے عقائد میں داخل نہیں۔ لیکن عیسائیت کی بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے کہ اگر یہ ثابت نہ ہوسکے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت مسیح کا بن باپ پیدا نہ ہونا عیسائیت کو بیخ وبن سے اکھاڑ دیتا ہے اور اسلام کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا۔ ایک مسلمان حضرت مسیح کی نبوت کا اس صورت میں بھی قائل ہے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے ہوں اور اس سورت میں بھی کہ بن باپ پیدا نہ ہوئے ہوں۔ حضرت عیسیٰ کو باپ والا یا بن باپ ماننے سے ہمارے دینی اعتقادات یا ہمارے عمل پر قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا۔(صفحہ ۱۴-۳۱۳)۔

دائرہ اسلام سے خارج

تقدس مآب اور آپ کے ہم مشربوں کو تو عیسائیت سے یہاں تک ضد ہے کہ اسے بیخ وبن سے اکھاڑنے کی دھن میں اسلام پر بھی ہاتھ صاف کئے دیتے ہیں اور نیچری اسلام کی حمایت کا یہاں تک پاس ہے کہ بنا بر فتویٰ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی دائرہ اسلام سے بھی خارج ہونے کو تیار ہیں۔ سنئے وہ فرماتے ہیں کہ " جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہے۔ ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے۔" اس سے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جس قسم کے اسلام کی حمایت یا اسلام کی جس قسم کی حمایت آپ کرنا چاہتے ہیں دائرہ اسلام سے خارج ہونا اس کے لئے ضروری شرط ہے۔

اب آئیے کہ میں آپ کو آپ کے امام الامام حضرت مرزا غلام احمد صاحب غفر اللہ ذنوبہ کا عقیدہ اس بارہ میں سناؤں۔ تشحید الاذہان جلد دہم نمبر اول مجریہ جنوری ۱۹۱۵ء میں ایک مسلمان کے اس اعتراض کے جواب میں جوازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۳ پر کیا ہے اس کے ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں کہ

میں نے صفحہ ۳۰۳ بغور دیکھا ہے اس میں مطلقاً یہ الفاظ نہیں جو اس سے دیانت دار مفتی نے نقل کئے ہیں البتہ یہ الفاظ " کیونکہ حضرت مسیح بن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام کرتے رہے"۔ اس عبارت میں باپ کا لفظ بطور مجاز عرف عام استعمال ہوا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح کا بے باپ پیدا ہونا اپنے عقائد میں لکھا ہے پس وہ محکم ہے اور جو اس کے خلاف کہیں سے اشارہ ملے۔وہ متشابہ کے حکم میں ہے اور اہلِ حق کا یہ قاعدہ ہے کہ متشابہ کو حکم کے تابع کرتے ہیں ہاں جن کے دلوں میں زیغ ہے وہ متشابہ کو اڑا لیتے ہیں۔ اور محکم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ(سورہ آل عمران ۷) اب حضرت مسیح موعود کا محکم بیان پڑھئے جو مواہب الرحمٰن صفحہ ۷۰ سے نقل کیا جاتا ہے۔

ومن عقائد نان عیسیٰ ویحییٰ قد ولد علی طریق خرق العادت۔ اور ہمارے عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ عیسیٰ و یحییٰ خرق العادت طور پر پیدا ہوئے۔" پھر ارشاد ہوتا ہے۔

فادل ما فعل لھذہ الارادۃ ھو خلق عیسیٰ من غیر اب بقدرۃ الجرۃ" پس پہلا کام جو اللہ نے اس ارادہ کے لئے کیا ہے وہ یہ ہے کہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے اپنی یکتا قدرت سے پیدا کیا۔" پھر لکھتے ہیں:

"وکون عیسیٰ من غیر اب و بروو الد ولیل علیٰ ماقر پالدلالتہ القاطعتہً اور عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا نشان ہے اس پر جو دلالت فاطعہ سے گذرا"۔ پھر فرماتے ہیں۔

"کان تولد یحییٰ من دون ممن قویٰ البشریہ وکذالک تولد عیسیٰ من دون لابً یحییٰ یدون قویٰ بشریہ کے مس کے پیدا ہوئے اور اسی طرح عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

پھر تنبیہ کی ہے:

یقولون ان عیسیٰ تولد من نطفتہ من یوسف ابیہ ولا یفمون امقیقۃ من الجھلات " کہتے ہیں کہ عیسیٰ یوسف اپنے سے باپ سے پیدا ہوا اور حقیقت کو جہالت سے نہیں سمجھتے ہیں (کیا اس فقرہ کو پڑھ کر بھی یہ خیال دل میں رہ سکتا ہے کہ جہاں حضور نے اس کتاب کی تحریر سے دس بارہ سال قبل فرمایا کہ اپنے باپ یوسف وہاں باپ سے یہ مراد ہے کہ عیسیٰ یوسف کے نطفہ سے تھے اور باپ نہیں تھے) پھر اخیر میں بڑے زور سے بیان کیا ہے۔

"افانحن فنومن بکمال قدعواللہ الاعلیٰ۔۔۔۔ فای عجب یاخذ کمہ من خلق عیسیٰ یافتیان۔" ہم اللہ کی کمال قدرت پر ایمان لاتے ہیں یعنی عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا کیا پس عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے سے تمہیں اے جوانو کیا تعجب ہے؟ پھر عیسیٰ کا باپ ماننے والوں سے سخت بیزاری کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا ہے:

"والذین یحکرون ھا فما قدر واللہ حق قدرہ" جو لوگ اس کے بے باپ پیدائش سے انکار کرتے ہیں انہوں نے اللہ کے قدر کو جیسا کہ اس کا حق ہے نہیں جانا۔"

یہ عربی عبارت ہے اب میں الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۱ء سے مفصلہ ذیل الفاظ آپ کے نقل کرتا ہوں" ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ تھے اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہے ایسے لوگوں کا خدا مردہ خدا ہے ایسے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ پیدا نہیں کرسکتا ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں"۔ (تشحیذ الاذہان)

" یہ فتویٰ ہے ان کے حق میں جو مسیح کی ان بن باپ پیدائش کے منکر ہیں۔ بتائیے اب اس کے مطابق آپ دائرہ اسلام سے خارج ہوتے ہیں یا عیسائیت بیخ و بن سے اکھڑتی ہے۔"

حصہ دوم

ورَافعک الیَ

حضرت نیاز اس مضمون کے دوسرے حصے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات یا مصلوب ہونے پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

" جس طرح حضرت عیسیٰ کی ولادت کا مسئلہ اہم ہے اسی طرح ان کی وفات یا مصلوب ہونے کا بھی واقعہ بہت غور طلب ہے۔

اس مسئلہ میں یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے خیالات مختلف ہیں۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صلیب پر چڑھا کر قتل کئے گئے۔عیسائی کہتے ہیں کہ وہ مصلوب ہونے کے بعد پھر زندہ کرکے آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اور مسلمان کہتے ہیں کہ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے۔ بلکہ کوئی اور شخص ان کی جگہ مصلوب ہوا لیکن آسمان پر چلے جانے کے یہ بھی قائل ہیں۔ کلام مجید کی جن آیتوں سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے یہ ہیں:

إِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ

(سورہ آل عمران ۵۵) ترجمہ:

جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ میں بیشک تجھے مارنے والا ہوں۔ اور اٹھانے والا ہوں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تجھے ان سے جو کافر ہوئے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُواْ فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلاَّ اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (سورہ نساآیت ۱۵۷ تا ۱۵۸)۔

ترجمہ: اور اللہ نے مہر کردی ہے ان کے دلوں پر بہ سبب ان کے یہ کہنے کے ہم نے قتل کردیا ہے مسیح عیسیٰ مریم کے بیٹے اللہ کے رسول کو اور انہوں نے نہیں قتل کیا اس کو نہ صلیب دی اس کو۔ لیکن ان کو اس کا دھوکا ہوا اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ بیشک شک میں ہیں ان کا علم جو کچھ ہے صرف ظن وقیاس ہے اور یقیناً مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اٹھالیا اس کو اپنی طرف اور اللہ غالب ہے حکمت والا (سورہ نساء آیت ۱۵۷ تا ۱۵۸)۔

سب سے پہلے ہم آپ کے واقعہ صلیب کو لیتے ہیں۔ جس کا ذکر نہایت صراحت کے ساتھ سورہ نساء میں آیا ہے۔ سورہ نساء کی ان آیتوں میں ذکر ہے یہود کا جو کہتے تھے کہ ہم نے مسیح کو صلیب پر چڑھا کر قتل کرڈالا۔ کلام مجید میں اس کا صاف انکار کیا گیا ہے کہ نہ انہوں نے مسیح کو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ لیکن بحث طلب الفاظ شبہ لہم کے ہیں۔ جس سے بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ کوئی دوسرا شخص مسیح کی صورت میں تبدیل ہوگیا تھا اور اسی کو سولی پر چڑھایا گیا۔ لیکن ان الفاظ سے یہ مفہوم اخذ کرنا نہایت ناروا جسارت ہے۔ کلام مجید کے الفاظ کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ یہودی مسیح کی موت یا ان کے قتل کئے جانے کے مسئلہ میں دھوکے میں مبتلا ہوگئے یعنی وہ ہلاک ہوئے نہیں اور انہیں مردہ سمجھ لیا گیا۔ عربی زبان میں یہ لفظ کثرت سے التباس یا دھوکا کے معنی میں مستعل ہے چنانچہ عام طور پر جب کسی شخص کو کسی بات میں دھوکا ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ شبہ علیہ الامر (فلاں امر میں اس کو التباس یا دھوکا ہوگیا) اس لئے اس کے یہ معنی لینا کہ کوئی اور شخص مسیح کی شبیہ بن گیا تھا درست نہیں ہوسکتا۔

اب رہا یہ امر کہ اگر وہ صلیب پر چڑھائے گئے تھے تو کلام مجید میں اس کی نفی ماصلبوہ کہکر کی گئی ہے۔ اس کا جواب نہایت آسان ہے قرآن پاک میں قتل وصلیب دونوں کی نفی ساتھ ساتھ کی گئی ہے اور یوں ارشاد ہوا ہے ماقتلوا وماصلبوہ جس کے صاف ظاہر ہے کہ ماصلبوہ کا مفہوم بھی وہی ہے جو ماقتلوہ کا ہے یعنی ان کو صلیب پر چڑھانے کے بعد جو اصل مقصود تھا حاصل نہیں ہوا۔ اور وہ ہلاک نہیں ہوئے اس لئے جب صلیب دینے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو یہ کہنا عام محاورہ کے بالکل مطابق ہے کہ انہیں صلیب بھی نہیں دی گئی۔ جس کی تصدیق شبہ لہم سے اور زیادہ ہوتی ہے۔ اور شبہ علم کا مفہوم جو ہم نے بیان کیا آگے کے الفاظ مالھم بہ من علم الااتباع الظن سے اور زیادہ موثق ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد سوال ہے ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا اور جس کے ثبوت میں رافعک الی اور رافعہ اللہ لیہ کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں رفع (اٹھانے) سے مراد رفع جسم (جسم کا اٹھانا) نہیں ہے بلکہ رفعت مرتبت مراد ہے۔ جیسا کہ مفروات امام راغب وتفسیر کبیر میں صراحتاً مذکور ہے۔ عربی میں رفع کے معنی رفع قدر کے بھی آتے ہیں اور رفیع اس شخص کہتے ہیں جو معزز وبلند مرتبت والا ہو۔

اس خیال کی مزید تقویت سورہ آل عمران کی آیت ۵۴ سے بھی ہوتی ہے جہاں رافعک الی کے بعد حرف عطف کے ذریعہ سے اس فقرہ کو بھی ملالیا گیا ہے:

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ

کہا جاتا ہے کہ جب مسیح صلیب پر چڑھائے گئے تو انہیں آسمان پر اٹھالیا گیا اور ان کی شبیہ صلیب پر قائم کردی گئی بعض کا خیال ہے کہ صلیب تو انہیں کو دی گئی تھی لیکن وہ صلیب سے مردہ سمجھ کر اتارے گئے تو خدا نے انہیں اوپر اٹھالیا۔ الغرض آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ صلیب ہی کے واقعہ سے متعلق ظاہر کیا جاتا ہے حالانکہ قرآن مجید میں صراحتہ انی متوفیک ورافعک الی کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رفع آسمان کا واقعہ آپ کی

وفات کے بعد ہوا ہے۔اور آپ کی وفات صلیب پر ہوئی نہیں جیسا کہ ہم ابھی کلام مجید سے ثابت کرچکے ہیں ۔ اس لئے انحصار فیصلہ کا اس امر پر ہوا کہ آپ کی وفات ہوئی یا نہیں ۔ یعنی آپ نے عمر طبعی کو پہنچ کر انتقال کیا یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہوجائے تو پھر زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور مفہوم رفع کی بھی وضاحت آسانی سے ہوجائیگی۔

لفظ متوفی کا مصدر توفی ہے اور جو مفسرین حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے قائل ہیں انہوں نے توفی کے معنی استکال یا وفائے عہد کے لئے ہیں یعنی خدا نے عیسیٰ سے کہا کہ میں تجھ سے وفائے عہد کرنے والا ہوں۔ ہر چند توفی کے یہ معنی بھی آتے ہیں لیکن کوئی وجہ نہیں کہ توفی کے معنی مارنے کے نہ لئے جائیں جبکہ توفاہ اللہ کے معنی اماتہ اللہ نے موت طاری کی کے بھی آتے ہیں۔ امام بخاری نے بھی ابن عباس کی روایت سے متوفیک کے معنی ممیتک (تجھ پر موت تاری کرنے والے) ظاہر کئے ہیں خود کلا مجید بھی اور مقامات پر لفظ توفی مارنے کے معنی میں آیا ہے (ملاحظہ سورہ نساآیت ۹۷)إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلآئِكَةُ سورہ انعام آیت ۶۰ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ۔ علاوہ اس کے یوں بھی جب کلام مجید سے نہایت صراحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنی موت سے مرے اور وہ عمر ضعیفی کو پہنچے تووہ متوفیک کے معنی سوائے ممیتک کے کوئی اور اختیار کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

یوں تو کلام مجید کی مختلف آیتوں سے حضرت عیسیٰ کی وفات اور ان کی صلیبی موت ثابت ہوتی ہے لیکن یہاں ہم صرف دوآیتیں پیش کرتے ہیں جن میں نہایت صراحت کے ساتھ اس کا امر کا اظہار ہے اور جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَـهَيْنِ مِن دُونِ اللّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلاَ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلاَّمُ الْغُيُوبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلاَّ مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷)۔

ترجمہ: جب کہیگا اللہ (قیامت کے دن) اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تونے کہا تھا لوگوں سے کے مجھے اور میری ماں کو خدا ٹھہیراؤ علاوہ اللہ کے عیسیٰ جواب دیگا- پاک ہے تیری ذات میں کیونکر ایسی بات کہہ سکتا ہوں جو حق نہ تھی ۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے خبر ہوگی کیونکہ جو میرے جی میں ہے اس کا علم تجھے ہے اور جو تیرے جی میں ہے اسے میں نہیں جانتا تو غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے کہا جو تونے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ کی پرستش کرو جو میرا تمہارا سب کا پروردگار ہے اوراس بات پر میں ان کا گواہ تھا جب تک میں ان کے درمیان رہا پھر جب تونے مجھ پر موت طاری کی تو توہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز کا گواہ ہے۔

آخیر کی آیت میں توفیتی کے معنی سوائے مارنے کے اور کوئی لئے ہی نہیں جاسکتے کیونکہ اگر کوئی اور معنی لئے جائینگے تومفہوم بالکل غلط ہوجائیگا اور یہ امر اس قدر ظاہر ہے کہ کسی مزید تصریح کی ضرورت نہیں۔

دوسری آیت جس سے معلوم ہوتاہے کہ حضرت عیسیٰ عمر طبعی تک پہنچنے کے بعد بوڑھے ہو کر مرے یہ ہے:

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً (سورہ آل عمران ۴۶)

ترجمہ: اور (مسیح) بات کریگا گھوارہ میں اور عالم ضعیفی میں۔

یہ آیت اس سلسلہ کی ہے جب فرشتے نے مریم کو بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دی تھی۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اس قدر تندرست پیدا ہونگے کہ گھوارہ ہی میں دوسرے توانا بچوں کی طرح باتیں کرنے لگینگے اور ضعیفی میں پہنچنے کے بعد بھی ان کا یہی عالم رہیگا۔ اس

آیت میں لفظ کھلاسے صاف طور پر یہ امر واضح ہوجاتاہے کہ کلام مجید میں مسیح کی عمر طبعی تک پہنچنے کی پیشینگوئی موجود ہے۔

پھر جب مسیح کا عمر طبعی تک پہنچنا اس طرح ثابت ہوتا ہے تو یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ آپ صلیب سے نہیں مرے۔ کیونکہ جس وقت آپ کو صلیب دی گئی آپ کی عمر ۳۲ سال کچھ دن کی تھی اور اس عمر کے انسان کو کھلا(ضعیف) نہیں کہہ سکتے۔ اور اس صورت میں متوفیک کے معنی وہی لئے جائینگے جو ہم نے بیان کئے ہیں۔

بعض مفسرین نے یکلم الناس فی المھد سے آپ کا یہ معجزہ ثابت کیا ہے کہ آپ گھوارہ ہی میں باتیں کرنے لگے اول تو گھوارہ یعنی عالم طفلی میں بچوں کا باتیں کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ بہت سے تندرست بچے شیر خوار گی ہی کے زمانہ میں بولنے لگتے ہیں اور اگر واقعی اس سے اظہار معجز کا ہے تو کھلا بیکار ہوجاتا ہے اور اس کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ہم صلیب دئیے جانے کے واقعہ کو مربوط صورت میں بیان کردیں تاکہ واقعات یکجائی طور پر سامنے آجائیں اور آیات قرآن کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

عام طور پر خیال کیا جاتاہے کہ صلیب پر چڑھانا یہ معنی رکھتا تھا کہ انسان یقیناً اور فوراً مرجاتا تھا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ صلیب پر چڑھائے جانے کی یہ صورت ہوا کرتی تھی کہ انسان کو ایک لمبے تختے کے ساتھ ملا کر کھڑا کرتے تھے اور اس کے ہاتھوں کو دوسرے تختہ پر جو پہلے تختہ پر متقاطع صورت میں جڑا ہوتا تھا پھیلادیتے تھے اور کس کر باندھ دیتے تھے اسی طرح پاؤں رکھ کر تختہ کے ساتھ کیل جڑدیتے تھے یا باندھ دیتے تھے تاکہ آدمی نیچے کو نہ سرک سکے۔ بس اس کا نام صلیب دیا جاتا تھا۔ مصلوب انسان کو اسی حال میں بھوکا پیاسہ چھوڑدیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دھوپ، بھوک اور ہاتھ پاؤں کے زخموں کی تکلیف سے دو چار دن میں ہلاک ہوجاتا تھا۔

جمعہ کے دن دوپہر کو مسیح صلیب پر چڑھائے گئے۔ چونکہ اسی دن شام سے یوم سبت شروع ہونے والا تھا اس لئے یہودیوں کے اعتقاد کے بموجب شام سے پہلے مسیح کو دفن بھی ہوجانا چاہیے تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ اس قدر رجلہ کوئی شخص صلیب پر نہیں مرسکتا یہ رائے قرار پائی کہ مسیح کی ٹانگیں توڑدی جائیں تاکہ وہ جلد ہلاک ہوجائیں۔ لیکن جب آپ کو جا کر دیکھا تو آپ پر شدتِ تکلیف سے غشی کی سی حالت طاری تھی اور سب نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ آپ مرگئے ہیں۔ چنانچہ آپ کے دفن کئے جانے کی اجازت دیدی گئی۔ اور رات ہی کو آپ کے ایک حواری نے لیجا کر دفن کردیا یا کسی غار میں چھپادیا۔ اور پھر وہاں سے آپ کو نکال کر لے گیا۔ اس کے تیسرے دن بعد جب آپ کی قبر کو دیکھا گیا تو پتھر سرکا ہوا تھا اور لاش موجود نہ تھی۔ اس واقعہ پر حواریوں نے مشہور کردیا کہ آپ آسمان پر اٹھالئے گئے تاکہ یہودی تلاش نہ کریں اور اس کو معجزہ سمجھ کر آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ کہاں گئے۔ کب تک زندہ رہے اور کہاں مدفون ہیں۔ انجیل کی روایت سے معلوم ہوتاہے کہ آپ معہ حواریوں کے گلیل چلے گئے تھے۔ احمدی جماعت کا بیان ہے کہ وہ وادیِ کشمیر میں آئے۔ چنانچہ سری نگر میں ان کا مزار موجود ہے جو نبی صاحب کا مزار کہلاتا ہے۔

جو واقعات انجیل کی روایات سے معلوم ہوئے ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتاہے کہ آپ نے مصلوب ہونے کی حالت میں جان نہیں دی۔ مثلاً چند گھنٹے صلیب پر رہنا جبکہ کئی دن میں معمولاً مصلوب کی جان نکلتی ہے مسیح کے ساتھ جو دو شخص اور مصلوب ہوئے تھے اور وہ بھی شام کو اتار لئے گئے تھے زندہ رہے۔ مگر خدا آپ کے جسم کو آسمان پر اٹھالیتا تو جہاں آپ غار یا قبر میں مدفون تھے وہاں کا پتھر سرکنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ کیونکہ خدا کو اوپر اٹھانے کے لئے پتھر ہٹانا ضروری نہ تھا۔ جب آپ واقعہ صلیب کے بعد اپنی ماں سے ملے تو جسم پر زخموں کے نشان موجود تھے۔ اور آپ بھیس بدلے ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی آپ مصلوب ہوئے اور زندہ اتار لئے گئے اور اسی ڈر سے کہ یہودیوں کو پتہ نہ چل جائے بھیس بدل کر اپنی ماں سے ملے۔"

بحثِ مافوق کا خلاصہ

بحثِ مافوق کا خلاصہ ان تین باتوں میں ہے کہ :

(۱-) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب تو دی گئی لیکن صلیب سے نہیں مرے - بلکہ عمر طبعی پہنچ کر کسی نامعلوم جگہ میں فوت ہو کر مدفون ہوئے -

(۲-) آیات ورافعک الی ودفعہ اللہ الیہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ بہ جسد عنصری آسمان پر زندہ موجود ہیں بلکہ ان سے آپ کی رفعتِ منزلت ظاہر ہوتی ہے -

(۳-) جوواقعات انجیل کی روایات سے معلوم ہوئے ہیں ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مصلوب ہونے کی حالت میں جان نہیں دی -

جیسی میری عادت ہے ارادہ تھا کہ اس حصہ کا بھی فقرہ وارجواب لکھتا جاؤں لیکن کتاب کی ضخامت کا مجھے بے حد خیال ہے- لہذا اس حصہ پر بحث کرنے کے لئے ایک نئی طرز اختیار کروںگا تاکہ حضرت نیاز کو فقرہ وار جواب بھی ملتا جائے اور کتاب بھی طوالت سے محفوظ رہے- وہ یہ کہ میں شق نمبر ۲ کی تردید کروںگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ (ا) یا توآپ نے اس قول سے کہ " مسیح فوت ہوچکے ہیں اور کہیں مدفون ہیں" رجوع کرینگے اور یا(ب) آپ مسیحیوں کا عقیدہ جو اقرب الی الصواب ہے اختیار کرینگے کہ حضرت عیسیٰ صلیب پر فوت ہوگئے اور پھر خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر بہ جسد عنصری آسمان پر چلے گئے -

حضرت عیسیٰ بہ جسدِ عنصری آسمان پر زندہ ہیں

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سوال ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ہے جس کے ثبوت میں رافعک الی اور رافعہ اللہ الیہ کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں لیکن یہاں رفع(اٹھانے)سے مراد رفع جسم (جسم کا اٹھانا) نہیں بلکہ رفعت مرلنبت مراد ہے - جیسا کہ مفردات امام راغب اور تفسیر کبیر میں بھی صراحتاً مذکور ہے - عربی میں رفع کے معنی رفع قدر کے بھی آتے ہیں اور رفیع اس شخص کو کہتے ہیں جو معزز وبلند مرتبت والاہو-"

ہمیں پھر افسوس کہ ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت نیاز کی یہ کورانہ تقلید ان کے من شہرت پر ایک بدنما داغ ہو کر چمکیگی-آپ لکھنے کو توسب کچھ لکھ گئے لیکن اس طرح کہ ایک جملہ بھی نہیں ایسا ملتا جس کو آپ کے قلم محنت رقم کی ترواش کہہ سکیں- آپ کو سرسید مرحوم کی تفسیر پر یہاں تک اعتماد ہے کہ اسکے بالمقابل دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنا کفر سمجھتے ہیں - چنانچہ سرسید مرحوم لفظ" رفع" کے معنی یہ کرتے ہیں کہ " اس سے " حضرت عیسیٰ کی قدو منزلت مراد ہے نہ یہ کہ ان کے جسم اٹھالینے کا"- اور آپ اس عبارت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ " یہاں رفع (اٹھانے) سے مراد رفع جسم (جسم کا اٹھانا) نہیں ہے بلکہ رفعت" مرتبت مراد ہے" جو سراسر غلط اور قرآن مجید کےساتھ کھیلنا ہے- صراح میں جو عربی لغات میں ایک ممتاز لغت ہے" رفع" کے معنی برداشتن لکھاہے - اس کی عبارت یہ ہے" رفع برداشتن وہو خلاف الوضع " یعنی رفع کے معنی اوپر اٹھانے کے ہیں اور اس کے بالمقابل لفظ وضع ہے جس کے معنی نیچے رکھنے کے ہیں- مصباح منیر میں لکھا ہے کہ رفعتہ رفعاً خلاف خفصتہ یعنی عرب جب کسی چیز کواوپر اٹھاتے ہیں توکہتے ہیں کہ " رفعتہ" (میں نے اس کو اوپر اٹھایا) اورجب کسی چیز کو نیچے رکھتے ہیں توکہتے ہیں کہ حفضتہ" (میں نے اس کو نیچے رکھا) یعنی رفع اور خفض دو متقابل الفاظ ہیں جو ایک دوسرے کے برخلاف استعمال ہوتے ہیں-

صراح میں لفظ " رفع" کے نیچے ایک محاورہ بھی لکھاہوا ہے کہ " ومن ذالک رفعتہ الی السلطان" جس سے بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ جب لفظ رفع کا صلہ الیٰ ہے تو اس سے مراد" رفعت مرتبت " ہوتی ہے- اس محاورہ کی بنا پر حضرت عیسیٰ کے رفع جسمی سے انکار کرنا نہ صرف عربی سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے بلکہ فارسی تک نہ جاننے کا ثبوت ہے - کیونکہ اس عربی

محاورہ کے شروع میں یہ فارسی عبادت موجود ہے " و نزدیک گردانیدن کسے را بہ کسی ذالک الخ"۔ یعنی رفع کے دوسرے معنی کسی کو کسی کے قریب کرنے کے ہیں اور اسی قبیل سے عربوں کا یہ محاورہ ہے کہ میں اس کو بادشاہ کے نزدیک لے گیا۔" اب کوئی ان مرعیان عربیت سے تو پوچھے کہ " نزدیک گردایندن کسے را بہ کسے" کے معنی کس طرح " رفعت مرتبت " کے ہوسکتے ہیں ۔ قبلہ ! کسی کو کسی کے نزدیک کرنے میں قرب جمی ملحوظ ہوتا ہے نہ یہ کہ کسی شخص کو گھر میں بیٹھے بٹھائے عزت ومنزلت اور پس رفعتہ الی السلطان کے یہ معنی ہیں کہ " میں اس کو بادشاہ کے پاس لے گیا " عزت اور ذلت کا اس میں کوئی لحاظ نہیں ۔ کیونکہ یہی محاورہ عین اس وقت بھی بولا ہے جب کسی کو شکایتاً بادشاہ کے پاس لے جاتے ہیں۔ منتی الارب میں اس محاورہ کے نیچے کہ" رفعہ الیٰ الحاکمہ" لکھاہے کہ "شکایت بُرد پیش حاکم و نزدیک آن شد باخصع فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی اس محاورہ کے نیچے کہ " رفعہ الیٰ الحاکمہ" لکھاہے کہ "یعنی شکایت کے لئے اس کو حاکم کے پاس لے گیا"(جزء ۹)

نکتہ

یہ نکتہ یادرکھنے کے قابل ہے کہ صراح کی عبارت زیر بحث کا مطلب یہ ہے کہ اگر" رافع جسمی" کے ساتھ مرتبت ومنزلت کا بھی ارادہ ہو تب" رفع کا صلہ" الی لانا مناسب ہے کیونکہ رفعتِ منزلت رفع جسمی کی منافی نہیں۔ لیکن اس صورت میں کا ہونا ضروری ہے تاکہ ارادہ اعزازی پر دلالت کرے کیونکہ جب " رفع کا صلہ" الیٰ ہے تواکثر اس کے معنی صرف رفع جسمی ہی کے ہوتے ہیں چنانچہ لمثلہ ذیل اس کی شاہد ہیں۔

اقد عثمان بن الهيثم حدثنا عرف عن محمد بن سيوين عن ابى هريرة قال كلنى رسول الله ؐ بحفظ زكواة رمضان فاتانى اية فجعل يحثومن الطعام فاخذ فقلت لا رفعنك عالى رسول الله ؐ فقص الحديث فقال اذاويت الى فراشك فاقراء آيته الكرسى لن يزال من الله حافظ ولايقربك شيطان حتى تصبح وقال النبى ؐ صدقك وهوكذوب ذاك شيطان .

ترجمہ: عثمان بن ہیثیم کہتے ہیں کہ ہم سے عوف نے حدیث بیان کی وہ محمد بن سیرین سے وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ عید فطر کی نگہبانی پر مقرر کیا تھا ایک شخص آکر اس میں سے لب بھر کر لیجانے لگا میں نے اس پکڑلیا۔ پھر میں نے کہا میں تجھ کو رسول کے پاس ضرور لیجاؤنگا اور پوری حدیث بیان کی ۔ اس نے بتایا کہ جب تو اپنے بستر پر آرام کرے توآیتہ الکرسی پڑھ لیا کر۔ ہمیشہ تیرے ہمراہ اللہ نگہبان رہے گا اور صبح تک شیطان تیرے پاس پھٹکنے نہ پائیگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے سچ کہا حالانکہ وہ جھوٹا ہے وہ شخص شیطان تھا۔"(بخاری جزا ۱ ۲)۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں جملہ لا رفعنک الی الرسول ﷺ کی شرح میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے کہ " ای لا نھبن بک شکوک يقال رفعه الى الحاكمه انا حضر ه للشكرىٰ. یعنی میں بالضرور تجھ کو رسول اللہ ﷺ کی جناب میں تیری شرارت کے سبب لیجاؤنگا اور تیری شکایت کرونگا۔" اب ہمارے کرم فرما اور ان کے ہمنوا ذرا غور کریں کہ کیا حضرت ابوہریرہ جیسے جلیل القدر صحابی (معاذ اللہ) شیطان لعین کو عزت دلانے کی غرض سے آنحضرت ﷺ کے پاس لیجانا چاہتے تھے"؟۔

(۲۔) مصباح منیر میں لفظ " رفع" کی تحت میں لکھاہے کہ " رفعت المزرع الی البیرد" جس کا ترجمہ صراح، منتی الارب ومنتخباللغات میں یہ لکھاہے کہ براد شتم غلہ درودہ و منجر من گا آوردم یعنی" کھیت کو کاٹ کر او رغلہ اٹھا کر خرمن گاہ میں لے آیا۔" قاموس اور اساس البلاغہ میں بھی لکھاہوا ہے۔

(۳-) صحیح بخاری اور مسلم اور مشکواۃ المصابیح کے باب البکاء علی المیت کے صفحہ ۱۵۰ مجتبائی میں آنحضرت کی بیٹی زینب کے فرزند ارجمند کے فوت ہونے کی حدیث میں یہ جملہ ہے کہ فرفع الیٰ رسول اللہ ﷺ الصبیتی" یعنی وہ لڑکا آپ کے پاس اٹھا کر لایا گیا۔"
قبلہ! اس محاورہ کو پڑھ کر پھر بھی آپ رفع جسمی کے قائل نہ ہونگے؟

(۴-) مجمع البحار جلد ثانی میں لفظ رفع کے نیچے لکھا ہے کہ فرفعہ الی یداہ رفعہ الی غایتہ طول یدولیر الناس فیفطرون یعنی آنحضرت ﷺ نے پیالہ کو درست مبارک کی لمبائی کے برابر اوپر اٹھایا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں اور روزہ افطار کریں۔"

غرضکہ ہمیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں اس قسم کی مثالیں معلوم ہیں جن سے بہ صراحت ظاہر ہوتا ہے کہ جب رفع کا صلہ الی آتا ہے تو اسکے معنی شئے مذکورہ کو بدخول الیٰ کی طرف اٹھانے کے کہتے ہیں ۔ چونکہ ہمارے محترم عربیت کے مدعی نہیں اس لئے ان چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بہر کیف نعت میں" رفع" کے حقیقی اور وضعی معنی" اوپر کو اٹھانے" کے ہیں۔ پس جہاں کہیں رفع کا مفعول کوئی مادہ ہی ہو وہاں۔ اس سے مراد نیچے سے اوپر کو حرکت کرنا" ہو گی اور اگر اس کا متعلق اور معمول کوئی غیر مادی شئے ہو تو اقتضائے مقام پر محمول ہوگا۔ چنانچہ مصباح منیر میں لکھا ہے کہ فلرفع الاجسام حقیقیۃ فی الحرکتہ والا نتقال وفی المعانی علیٰ ما یقصیۃ المقامہ۔ یعنی رفع کا تعلق جب اجسام کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کے حقیقی معنی حرکت اور انتقال کے ہوتے ہیں اور جب معانی کے متعلق ہوتا ہے تو جیسا موقع ہو ویسی ہی مراد ہوتی ہے۔"

مصباح کی اس تصریح سے صاف ظاہر ہے کہ رفع کے" حقیقی وضعی" معنی انتقال اور حرکت کے ہوتے ہیں اور امثلاءمافوق سے ثابت ہو گیا ہے کہ" رفع" کا صلہ جب" الیٰ آئے تو اس کے معنی شئ مذکور کے مدخول الیٰ کی طرف مرفوع ہونے کے ہوتے ہیں۔" پس ورافعک الیٰ کے معنی بجز اس اور کچھ نہیں کہ حضرت عیسیٰ بہ جسد عنصری آسمان پر زندہ اور موجود ہیں۔

دوسرا نکتہ

چونکہ ہم نے ارادہ کرلیا ہے کہ اس بحث کا کامل طور پر تصفیہ کریں لہذا یہاں اوپر ایک اور نکتے لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ کنایہ اور مجاز میں یہ فرق ہے کہ کنایات میں اصلی اور حقیقی معنی بھی مراد ہوسکتے ہیں اور مجازات میں نہیں چنانچہ مختصر معانی میں جو اس فن میں ایک اعلیٰ پایہ کی درسی کتاب ہے لکھا ہے کہ:

الکنایة فی الغة مصدر کنیت بکذاعن کذا وکنوت اذا ترکت التصریح بہ وفی الاصطلاح لفظ ارید بہ لازم معنا ومع جواز اراحقہ محہ ای ارادۃ ذالک المعنی مع لازمہ کلفظ طویل النجاد المرادبہ طویل بل القلمة مع جواذاں یراد حقیقت طرال النجاد ایضاً فظھم انہا تخالف المجاذ من جھتہ ارادۃ للمعنی لکقیقی مع ارادۃ لازمہ کا رادتہ طول المجار مع ارادۃ طول القامة بخلاف المازفانہ لایجر زنیہ ارادۃ المعنی الحقیقی للزوم القرینة المانعتہ عن ارادۃ المعنی الحقیقی یعنی کنایہ معتل یائی یا وادی ہے اور اس کے لغوی معنی مبہم بات کہنے کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے معنی کا لازم مراد ہو اور اس کے ساتھ اس لفظ کے اصلی معنی کا ارادہ بھی جائز ہو۔ مثلاً طویل النجار یہ ایک محاورہ ہے جس کے لازمی معنی" دراز قامت" کے ہیں لیکن اس کے ساتھ اس کے حقیقی بمعنی (لمبے پر تلہ والا) مراد لینا بھی جائز ہے۔ پس ظاہر ہے کہ کنایہ اور مجاز میں یہی فرق ہے کہ کنایہ میں لازمی اور حقیقی دونوں معنی جمع ہوسکتے ہیں۔ اور مجاز حقیقی معنی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا ہے۔"

پس رافعک الی کے معنی کنائی (بشرطیکہ ایسا ہی ہو) بھی ہمارے لئے مضر نہیں بلکہ مفید ہے کیونکہ یہ دونو(معنی ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ رفع جسمی کے ساتھ رفعتِ مرتبت کا ہونا ایک نبی برحق کے لئے نور علی نور ہے۔ جیسا کہ آیت ذیل میں بھی یہ دونو باتیں ثابت ہیں کہ " رفع ابویہ علیٰ العرش" یعنی یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر چڑھا کر بٹھایا"۔ اس میں رفع جسمی کے ساتھ عزت واکرام بھی ملحوظ ہے۔

جاہلوں سے کچھ بعید نہیں اگر یہ کہیں کہ ہم تو اس کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں۔ لہذا مناسب ہے کہ ہم ان کو بھی یہ بتلائیں کہ آیت ورافعک الی کے مجازی معنی بھی مراد نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ مجاز کے لئے یہ شرط ہے کہ حقیقی معنی کے لینے سے اگر قباحت لازم آجائے یا کوئی قرینہ ایسا ہو کہ حقیقی معنی لینے سے منع کریں۔ چنانچہ مختصر معانی میں لکھا ہے کہ المجاز مفرد مرکب اما المفرد فھوا الکلمة المستعملہ فی غیر ماوضعت لدفی اصطلاح بہ المتخاطب علی وجہ یصح مع قرینة عدم ارادتہ ایٰ ارادة الموضوع لد۔ یعنی " مجاز وہ کلمہ ہے جو اپنے حقیقی معنی میں مستعل نہ ہو اور کوئی قرینہ بھی قائم ہو جس سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ کلمہ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں" چونکہ آیت زیر بحث کے حقیقی معنی لینے میں نہ تو کوئی قباحت لازم آتی ہے اور نہ اس میں کوئی قرینہ اس قسم کا ہے جو حقیقی معنی کے اختیار کرنے کو روکے لہذا آیت مافوق کے مجاز معنی لینا سراسر باطل ہے۔

اسی اصل زرین کو مدنظر رکھ کر قرآن مجید نے جہاں کہیں لفظ " رفع" کو بہ معنائے " رفعت مرتبت" استعمال کیا ہے ان کل مقامات میں کوئی نہ کوئی قرینہ اس قسم کا قائم کیا ہے جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں معنائے موضوع لہ(حقیقی) مراد نہیں ہے مثلاً: ورفعنا ورمکاناً علیا (سورہ ۱۹ آیت ۳۸) رفع بعضھم دوجت (سورہ ۲ آیت ۲۵۴) ونرفع ورجتٍ من نشا(سورہ ۶ آیت ۸۳) ورفع بعضہ کمہ فوق بعض درجتٍ(سورہ ۶ آیت ۱۶۵) ورفعنا بعضھم فوق بعض درجتِ(سورہ ۴۳ آیت ۳۱) ان تمام آیات میں الفاظ" مکاناً علیا" و"درجعت" قرینے ہیں اس بات کے کہ لفظ" رفع" اپنے اصلی معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

امام راغب اورامام رازی پر تہمت

ہمارے کرم فرما کا یہ لکھنا کہ " یہاں رفع (اٹھانا) سے مراد رفع جسم (جسم کا اٹھانا) نہیں بلکہ رفعت مرتبت مراد ہے۔ جیسا کہ مفرودات امام راغب اور تفسیر کبیر میں بھی صراحتاً مذکور ہے۔" امام راغب اورامام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ پر بہتان باندھنا اور سفید چشمی کی تہمت لگانا ہے۔ کسی امر کی تحقیق کے لئے قابل وثوق اشخاص کا صرف نام لینا کافی نہیں ہوسکتا ہے تاوقتیکہ ان کے تحریری بیان بھی پیش نہ کئے جائیں۔ چونکہ ان کی کتابیں آپ کی نظر سے نہیں گذری ہیں اس لئے سماعی طور پر آپ نے ان کا نام لکھدیا۔ لیجئے آپ کی خاطر ہم ان دونو کتابوں کی عبارات نقل کئے دیتے ہیں۔

(۱۔) امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ اسی آیت کی تحت میں لکھتے ہیں کہ " وقدثبت بالہ لیل انہ حی دور الخبر عن النبیؐ اند سینزل ویقتل الدجال ثمہ انہ تعالیٰ یتوفاہ بعد ذالک " یعنی " بیشک یہ بات دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں اوراس بارہ میں نبی ﷺ سے حدیث بھی آچکی ہے کہ آپ اترینگے اور دجال کو قتل کرینگے اورپھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو وفات دیگا (تفسیر کبیر جلد دوم)۔

(۲۔) پھر اسی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ " روی انہ علیہ الصلواة السلامہ لما اظہر ھدة المعجزات العجیبة صد الیھود قتلہ مخلصہ اللہ منھم حدیث رفعہ الی السماء " یعنی" مروی ہے کہ جب حضرت علیہ الصلواة السلام نے یہ عجیب معجزات دکھلائے تو یہودیوں نے آپ کے قتل کا قصد کیا اور سو خدائے تعالیٰ نے آپ کو ان کے ہاتھوں سے اس طرح خلاصی بخشی کہ آسمان پر اٹھالیا"۔

(۳-) حضرت امام فخر الدین راز رحمتہ اللہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسم پر یہاں تک وثوق ہے کہ آپ نے اس اعتراض کا بھی جواب دیا ہے جو اس پر وارد ہوتا ہے کہ رفع جسمانی عند العقل متعذر ہے۔ چنانچہ آپ اس آیت کی تفسیر میں کہ

"بل رافعه الله ليه وكان الله عزيزاً حكيما لکھتے ہیں کہ " والمراد من العزة كما القدرة ومن الحلمة علىٰ لبشر لكنده لاتعذر رفيه بالنبته الى قدرتى والى حكمتى وهو نظير قوله تعالىٰ سبحان الذى اسرىٰ بعبد ه ليلاً فان الاسراء وان كان متعذراً بالنسبته الى قدرة محمد لا نه سهل بالنسبته الى قدرة الحو نسجانٍ.

"یعنی اس آیت میں عزت سے کمالِ قدرت حکمت سے کمال علم مراد ہے۔ پس اس آیت سے خدا نے اس پر آگاہ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اگرچہ انسان کی طاقت سے باہر ہے لیکن میری قدرت اور حکمت کی نسبت کوئی چیز نہیں ہے۔ اور یہ آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ اس کی نظیر ہے کہ اسراء اگرچہ آنحضرت ﷺ کی قدرت کی نسبت متعذر تھا مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت کے آگے بالکل سہل تھا۔"

(۴-) پھر حضرت امام رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ " ولمنا علمه الله ان من الناس من يخطر بباله ان الذى رفعه الله هوروحه لاجسده ذكر هدا الكلام ليدل علىٰ انه عليه الصلوٰة والسلام رفع بتما مه الىٰ السماء بروحه وجسده (تفسیر کبیر جلد دوم تفسیر خازن)۔

یعنی چونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ کسی کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی روح کو اٹھایا تھا۔ اس لئے اللہ نے متوفیک فرمایا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتمامہ مع جسم اور روح کے آسمان پر اٹھالیا۔"

میری دانست میں تفسیر کبیر کے حوالجات مافوق ایک باحیا شخص کے لئے اس بات کو باور کرنے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ ہر گز حضرت عیسیٰ کے رفع جسمی کے منکر نہیں ہیں۔ اب ہم مفردات امام راغب رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ امام صاحب لفظ " رفع" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" الرفع يقال تادة فى الاجسام الموضرعته اذا عليتها عن مقرها.......وتازة البناء اذا طولته ...... وتارة فى الذكر اذا فوهته ..... وتازة فى المنزالته اذا شهر فتها."

یعنی لفظ رفع کا استعمال چار طرح پر ہے کبھی ان اجسام پر جو ایک خاص جگہ پر رکھے گئے ہیں۔ جب ان کو ان کی جائے قرار سے اونچا کردیا جائے۔ اور کبھی عمارت پر جب اس کو بلند کردیا جائے۔ اور کبھی ذکر پر جب اس کو شہرت دی جائے۔ اور مرتبہ پر جب اسے شرف یا بزرگی دی جائے۔ اس اقتباس اور اس کے ترجمہ کو دیکھ کر ہمارے کرم فرما دل ہی دل میں ہماری سراغرسانی کے قائل ضرور ہوگئے ہونگے! کیونکہ اقتباس مافوق اس کے ترجمہ کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب کے اس رسالہ [1] سے لیا گیا ہے جس کا نام لے لینا ہمارے کرم فرما کو منظور نہیں ہے (خدا جانے کیوں؟) جب ہم قارئین کرام سے انصاف چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ عبارتِ مافوق کے کس جملہ یا لفظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں رفع سے مراد رفع جسم نہیں بلکہ رفعت مرتبت ہے۔" امام راغب بھی وہی کہہ رہے ہیں جو ہم کہہ چکے ہیں کہ لفظ رفع کے "حقیقی معنی اوپر اٹھانے کے" ہیں اور باقی معانی میں حسب القرآن ممستعل ہے جس سے ہمیں ہر گز انکار نہیں ہے۔

بحثِ مافوق کا نتیجہ

یہاں تک تو لفظ رفع پر بحث ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آیات رافعک الی" رفعہ اللہ الیہ" میں لفظ رفع اپنے حقیقی معنی نہ معنائے بالا برداشتن میں مستعمل ہے۔ نیز مزید انکشاف

[1] دیکھو رسالہ عیسویت کا آخری سہارا" صفحہ ۲۲۔ مصنفہ مولوی محمد علی صاحب (سلطان)

کے لئے ہم نے یہ بھی ثابت کردیا کہ آیاتِ مافوق میں رفع کے معنی نہ تو کنائی کے لئے جاسکتے ہیں اور نہ مجازی کے ۔ اور نہ امام فخر الدین رازی اور نہ امام راغب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں ۔ اب حضرت نیاز کے لئے بجز! اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ ذیل کے دو امروں میں سے ایک کو اختیار کریں یعنی یا توآپ (۱) یہ تسلیم کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مطلق فوت ہی نہیں ہوئے(جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے) اور بہ جسدِ عنصری زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور یا (۲) یہ تسلیم کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عارضی طورپر فوت ہوئے (جیسا کہ ہم مسیحیوں کا عقیدہ ہے) اورپھر خدا نے آپ کو زندہ کرکے بہ جسد عنصری آسمان پر اٹھا لیا۔ لیکن حضرت نیاز امر اول کو تسلیم نہیں کرسکتے کیونکہ آپ لفظ" متوفیک" کو بہ معنائے ممیتک" قبول کرچکے ہیں اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ فی الحقیقت آیت مشار" الیہا میں " متوفیک" بہ معنائے ممیتک ہیں" اس لئے اس پر بحث کرنا ہم نے تحصیل حاصل سمجھا۔ لیکن چونکہ ہم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بہ جسدِ عنصری آسمان پر زندہ اٹھائے گئے ہیں لہذا حضرت نیاز کو مجبوراً دوسرا امر اختیار کرنا پڑیگا تاکہ "متوفیک" ورافعک الی میں تعارض واقع نہ ہوجائے ۔ چنانچہ یہی عین صواب اور قرآن کریم وانجیل جلیل کے مطابق ہے ۔ قرآن پاک سے توہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں صرف انجیل جلیل سے اس پر بحث کرنا باقی ہے جو حسبِ ذیل ہے۔

انجیل جلیل اور حضرت عیسیٰ کی موت ورفع

حضرت نیاز تحریر فرماتے ہیں کہ " جو واقعات انجیل کی روایات سے معلوم ہوئے ہیں ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے مصلوب ہونے کی حالت میں جان نہیں دی ۔" ہر چند ہمارے کرم فرما کی غلطی اور انجیل ندانی کے اظہار کے لئے صرف یہی ایک جملہ کافی تھا کہ " سرجھکا کر جان دی " (یوحنا ۱۹ : ۳۰)۔ لیکن از بسکہ آپ اپنے کبتین (سرسید مرحوم اور مولوی محمد صاحب) کے اقتدار پر " واقعات " پر بازی لگارہے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت مسیح کے صلیبی " واقعات " کو اناجیل کے الفاظ میں پیش کریں تاکہ قمارخانہ تقلید میں حضرت نیاز کے دل ودین کا ماجرا معلوم ہوسکے ۔ وہ واقعات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ (یسوع) کا پکڑا جانا

(متی ۲۶: ۴۷تا ۵۶۔ لوقا ۲۲: ۴۷تا۵۳۔ یوحنا ۱۸: ۳تا ۱۱)---

"وہ یہ کہی ہی رہا تھا کہ فی الفور یہوداہ جوان بارہ میں سے تھا اوراس کے ساتھ ایک بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے سردار کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں کی طرف سے آپہنچی۔ اوراس کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ پتہ دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں وہی ہے۔ اسے پکڑ کر حفاظت سے لے جانا۔ وہ آکر فی الفور اس کے پاس گیا اورکہا۔ اے ربی ۔اوراس کے بوسے لئے۔ انہوں اس پرہاتھ ڈال کر اسے پکڑلیا۔ ان میں سے جو پاس کھڑے تھے ایک نے تلوار کھینچ کر سردار کاہن کے نوکر پر چلائی اوراس کا کان اڑادیا۔ یسوع نے ان سے کہا۔ کیا تم تلواریں اور لاٹھیاں لے کرمجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو؟ میں ہر روز تمہارے پاس ہیکل میں تعلیم دیتا تھا اور تم نے مجھے نہیں پکڑا ۔ لیکن یہ اس لئے ہوا کہ نوشتے پورے ہوں۔ اس کے سارے شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ۔

مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔ اسے لوگوں نے پکڑا مگروہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا۔"

یہودیوں کی صدر عدالت میں سیدنا عیسیٰ کے مقدمے کی پیشی

(متی ۲۶: ۵۷تا ۶۸ - لوقا ۲۲: ۶۳تا ۱۷ - یوحنا ۱۸: ۱۲تا ۱۴ اور ۱۹تا ۲۴)

پھر وہ یسوع کو سردار کاہن کے پاس لے گئے۔ اور سب سردار کاہن اور بزرگ اور فقیہ اس کے ہاں جمع ہوگئے۔ اور پطرس فاصلے پر اس کے پیچھے پیچھے سردار کاہن کے دیوان خانے کے اندر تک گیا۔ اور پیادوں کے ساتھ بیٹھ کر آگ تاپنے لگا۔ اور سردار کاہن اور سارے صدر عدالت والے یسوع کے مار ڈالنے کےواسطے اس کے خلاف گواہی ڈھونڈھنے لگے۔ مگر نہ پائی کیونکہ بہتیروں نے اس پر جھوٹی گواہیاں تو دیں لیکن ان کی گواہیاں متفق نہ تھی۔ پھر بعض نے اٹھ کر اس پر یہ جھوٹی گواہی دی کہ ہم نے اسے یہ کہتے سنا ہے کہ میں اس مقدس کو جو ہاتھ سے بنا ہے۔ ڈھاؤنگا اور میں تین دن میں دوسرا بناؤنگا جو ہاتھ سے نہ بنا ہو۔ لیکن اس پر بھی ان کی گواہی متفق نہ نکلی۔ پھر سردار کاہن نے بیچ میں کھڑے ہو کر یسوع سے پوچھا کہ تو کچھ جواب نہیں دیتا؟ یہ تیرے خلاف کیا گواہی دیتے ہیں؟ مگر وہ چپکا ہی رہا اور کچھ نہ جواب دیا۔ سردار کاہن نے اس سے پھر سوال کیا اور کہا۔ کیا تو اس ستودہ کا بیٹا مسیح ہے۔ یسوع نے کہا ہاں میں ہوں۔ اور تم ابنِ آدم کو قادرِ مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھو گے۔ سردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑ کے کہا اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی۔ تم نے یہ کفر سنا۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ ان سب نے فتویٰ دیا کہ، قتل کے لائق ہے۔ تب بعض نے اس پر تھوکنے اور اس کا منہ ڈھانپنے اور اس کے مکے مارنے اور اس سے کہنے لگے۔ نبوت کی باتیں سنا! اور پیادوں نے اسے طمانچے مار مار اپنے قبضے میں لیا۔ (مرقس باب ۱۴: آیات ۵۳تا ۶۵)۔

پینطس پیلاطس کی کچہری میں سیدنا عیسیٰ کے مقدمے کی پیشی

(متی ۲۷: ۱تا ۲ اور ۱۱تا ۲۶ - لوقا ۲۳: ۱تا ۲۵ - یوحنا ۱۸: ۲۸ - ۱۹: ۱۹)

فی الفور صبح ہوتے ہی امام اعظم نے بزرگوں اور فقیہوں اور سب صدر عدالت والوں سمیت صلاح کرکے سیدنا عیسیٰ کو بندھوایا اور لے جاکر پیلاطس کے حوالہ کیا۔ پیلاطس نے آپ سے پوچھا کیا تم یہودیوں کے بادشاہ ہو؟ آپ نے جواب میں اس سے فرمایا تم خود کہتے ہو۔ (۳) امام اعظم آپ پر بہت الزام لگاتے رہے۔ پیلاطس نے آپ سے دوبارہ سوال کرکے یہ کہا تم کچھ جواب نہیں دیتے؟ دیکھو یہ تم پر کتنی باتوں کا الزام لگاتے ہیں؟ سیدنا عیسیٰ نے پھر بھی کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ پیلاطس نے تعجب کیا۔

پیلاطس عید پر ایک قیدی کو جس کے لئے لوگ عرض کرتے تھے ان کی خاطر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اور برابا نام ایک آدمی ان باغیوں کے ساتھ قید میں پڑا تھا جنہوں نے بغاوت میں خون کیا تھا۔ بھیڑ اوپر چڑھ کر اس سے عرض کرنے لگی کہ جو تمہارا دستور ہے وہ ہمارے لئے کرو۔ پیلاطس نے انہیں یہ جواب دیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر یہودیوں کے بادشاہ کو چھوڑدوں؟ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ امام اعظم نے آپ کو حسد سے میرے حوالہ کیا ہے۔ مگر امام اعظم نے بھیڑ کو ابھارا تاکہ پیلاطس ان کی خاطر برابا ہی کو چھوڑدے۔ پیلاطس نے دوبارہ ان سے کہا پھر جسے تم یہودیوں کا بادشاہ کہتے ہو اس سے میں کیا کروں؟ وہ پھر چلائے کہ آپ مصلوب ہوں۔ پیلاطس نے ان سے فرمایا کیوں اس نے کیا برائی کی ہے؟ وہ اور بھی چلائے کہ وہ مصلوب ہو۔ پیلاطس نے لوگوں کو خوش کرنے کے ارادہ سے ان کے لئے برابا کو چھوڑ دیا اور سیدنا عیسیٰ کو کوڑے لگوا کر حوالہ کیا کہ مصلوب کئے جائیں۔ (مرقس ۱۵: ۱تا ۱۵)۔

رومی سپاہیوں کا سیدنا عیسیٰ کو ٹھٹھے میں اڑانا

(متی ۲۷ : ۲۷ تا ۳۱)

" اس پر حاکم کے سپاہیوں نے سیدنا عیسیٰ کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن آپ کے گرد جمع کی اور آپ کے کپڑے اتار کر آپ کو قرمزی چوغہ پہنایا۔ اور کانٹوں کا تاج بنا کر آپ کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا آپ کے دہنے ہاتھ میں دیا آپ کے آگے گھٹنے ٹیک کر آپ کو ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب ! اور آپ پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر آپ کے سر پر مارنے لگے۔ اور جب آپ کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغہ کو آپ پر سے اتار کر پھر آپ ہی کے کپڑے پہنائے اور مصلوب کرنے کو لے گئے۔

سیدنا عیسیٰ کا صلیب دیا جانا اور لعن طعن اٹھانا

(متی ۲۷ : ۳۲ تا ۴۴۔ لوقا ۲۳ : ۲۶ تا ۴۳۔ یوحنا ۱۹ : ۱۷ تا ۲۴)

"شمعون نام ایک کرینی آدمی سکندر اور روفس کووالد دیہات سے آتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ انہوں نے اسے بیگار میں پکڑا کہ آپ کی صلیب اٹھائے۔ اور وہ آپ کو مقام گلگتا پر لائے جس کا ترجمہ کھوپڑی کی جگہ ہے۔ اور مُر ملی ہوئی مے آپ کو دینے لگے مگر آپ نے نہ لی۔ انہوں نے آپ کو مصلوب کیا اور آپ کے کپڑوں پر قرعہ ڈال کر کہ کس کو کیا ملے انہیں بانٹ لیا اور پہر دن چڑھا تھا جب انہوں نے آپ کو مصلوب کیا۔ آپ کا الزام لکھ کر آپ کے اوپر لگا دیا گیا کہ یہودیوں کا بادشا انہوں نے آپ کے ساتھ دو ڈاکوؤں کو ایک کو دہنی اور ایک آپ کی بائیں طرف مصلوب کئے۔ (تب اس مضمون کا وہ نوشتہ کہ آپ بدکاروں میں گنے گئے پورا ہوا)۔ اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر آپ پر لعن طعن کرتے اور کہتے تھے کہ واہ ! بیت اللہ کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے صلیب پر اتر کر اپنے تئیں بچاؤ۔ اسی طرح امام اعظم بھی فقیہوں کے ساتھ مل کر آپس میں ٹھٹھے سے کہتے تھے آپ نے اوروں کو بچایا۔ اپنے تئیں نہیں بچاسکتے۔ اسرائیل کا بادشاہ مسیح اب صلیب پر سے اتر آئیں تا کہ ہم دیکھ کر ایمان لائیں اور جو آپ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے وہ آپ پر لعن طعن کرتے تھے۔ (مرقس ۱۵ : ۲۱ تا ۳۲)

سیدنا عیسیٰ کا مرنا

(متی ۲۷ : ۴۵ تا ۵۶۔ لوقا ۲۳ : ۴۴ تا ۴۹۔ یوحنا ۱۹ : ۲۸ تا ۳۰)

جب دوپہر ہوئی تو تمام ملک میں اندھیرا چھا گیا اور تیسرے پہر تک رہا تیسرے پہر کو سیدنا عیسیٰ بڑی آواز سے چلائے کہ الوہی الوہی لما شبقتنی ؟ جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا اے میرے خدا آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ جو پاس کھڑے تھے ان میں سے بعض نے یہ سن کر کہا دیکھو وہ الیاس کو بلاتے ہیں۔ ایک نے دوڑ کر سپنج کو سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر آپ کو چسایا اور کہا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو الیاس انہیں اتارنے آتا ہیں یا نہیں۔ پھر سیدنا عیسیٰ نے بڑی آواز سے چلا کر دم دے دیا۔ بیت اللہ کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ صوبہ دار آپ کے سامنے کھڑا تھا اس نے آپ کو یوں دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا بے شک یہ آدمی ابن اللہ ہے۔ (مرقس ۱۵ : ۳۳ تا ۳۹)

پس چونکہ تیاری کا دن تھا یہودیوں نے پیلاطس سے درخواست کی کہ ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں اور لاشیں اتار لی جائیں تکہ سبت کے دن صلیب پر نہ رہیں کیونکہ وہ سبت ایک خاص دن تھا۔ پس سپاہیوں نے آکر پہلے اور دوسرے شخص کی ٹانگیں توڑیں جو آپ کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ لیکن جب انہوں نے سیدنا عیسیٰ کے پاس آکر دیکھا کہ آپ مر چکے ہیں تو آپکی ٹانگیں نہ توڑیں۔ مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے آپ کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہ نکلا۔ (یوحنا ۱۹ : ۳۱ تا ۳۴)۔

سیدنا عیسیٰ کا دفن ہونا

(متی ۲۷: ۵۷تا ۶۱- لوقا ۲۳: ۵۰تا ۵۶- یوحنا ۱۹: ۳۸تا ۴۲)

" جب شام ہو گئی تو اس کے لئے تیاری کا دن تھا جو سبت سے ایک دن پہلے ہوتا ہے - ارمتیہ کا رہنے والا یوسف آیا جو عزت دار مشیر اور خود بھی پروردگار کی بادشاہی کا منتظر تھا اس نے جرات سے پیلاطس کے پاس جا کر آپ کی جسمِ مبارک مانگا- پیلاطس نے تعجب کیا کہ آپ ایسے جلد وفات پاگئے اور صوبہ دار کو بلا کر آپ سے پوچھا کہ آپ کو وفات پائے ہوئے دیر ہو گئی ؟ جب صوبہ دار سے حال معلوم کرلیا تو جسمِ مبارک یوسف کو دلادی - آپ نے ایک مہین چادر مول لی اور جسمِ مبارک کواتار کر چادر میں کفنایا اور ایک قبر کے اندر جو چٹان میں کھودی گئی تھی رکھا اور قبر کے منہ پر ایک پتھر لڑھکا دیا - بی بی مریم مگدلینی اور یوسیس کی والدہ بی بی مریم دیکھ رہی تھیں کہ آپ کہاں رکھے گئے ہیں-

(مرقس ۱۵: ۴۲تا ۴۷)-

سیدنا عیسیٰ کا جی اٹھنا

(متی ۲۸: ۱تا ۸- لوقا ۲۴: ۱تا ۲۰- یوحنا ۲۰: ۱)

جب سبت کا دن گذر گیا تو بی بی مریم مگدلینی اور حضرت یعقوب کی والدہ ماجدہ بی بی مریم اور بی بی سلومی نے خوشبودار چیزیں مول لیں تاکہ آکر آپ پر ملیں-وہ ہفتہ کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں-اور آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لڑھکائے گا؟ جب انہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے کیونکہ وہ بہت ہی بڑا تھا- قبر کے اندر جا کر انہوں نے ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے دہنی طرف بیٹھے دیکھا اور نہایت حیران ہوئیں- اس نے ان سے کہا ایسی حیران نہ ہو- تم عیسیٰ ناصری کو جو مصلوب ہوا تھا ڈھونڈتی ہو- وہ جی اٹھے ہیں - وہ یہاں نہیں ہیں- دیکھو یہ وہ جگہ ہے جہاں انہوں نے عیسیٰ ناصری کو رکھا تھا- لیکن تم جا کر اس کے صحابہ کرام اور پطرس سے کہو کہ وہ تم سے پہلے گلیل کو جائیں گے - تم وہیں اسے دیکھو گے جیسا اس نے تم سے کہا وہ نکل کر قبر سے بھاگیں کیونکہ لرزش اور ہیبت ان پر غالب آگئی تھی اور انہوں نے کسی سے کچھ نہ کہا کیونکہ وہ ڈرتی تھیں-

سیدنا عیسیٰ کا جی اٹھ کر شاگردوں کو دکھائی دینا

ہفتہ کے پہلے روز جب آپ سویرے جی اٹھے تو پہلے بی بی مریم مگدلینی کو جس میں سے آپ نے سات بدروحیں نکالی تھیں دکھائی دیئے- اس نے جا کر آپ کے ساتھیوں کو جو ماتم کرتے اور روتے تھے خبر دی- انہوں نے یہ سن کر کہ آپ جیتے ہیں اس نے آپ کو دیکھا ہے یقین نہ کیا-

اس کے بعد آپ دوسری صورت میں ان میں سے دو کو جب وہ دیہات کی طرف پیدل جارہے تھے دکھائی دیئے- انہوں نے بھی جا کر باقی لوگوں کو خبر دی مگر انہوں نے ان کا بھی یقین نہ کیا-

پھر آپ ان گیارہ کو بھی جب کھانا کھانے بیٹھے تھے دکھائی دیئے اور آپ نے ان کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ان کو ملامت کی کیونکہ جنہوں نے آپ کے جی اٹھنے کے بعد آپ کو دیکھا تھا انہوں نے ان کا یقین نہ کیا تھا- آپ نے ان سے فرمایا تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی تبلیغ کرو- جو ایمان لائے اور اصطباغ لے وہ نجات پائے گا اور جو ایمان نہ لائے وہ مجرم ٹھہرایا جائے گا

(مرقس ۱۶: ۱تا ۱۶)-

سیدنا عیسیٰ کا آسمان پر جانا

"پھر آپ انہیں بیت عنیا کے سامنے تک باہر لے گئے اور اپنے ہاتھ اٹھا کر انہیں برکت دی۔ جب آپ انہیں برکت دے رہے تھے تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہوگئے اور آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور صحابہ کرام آپ کو سجدہ کرکے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے۔ اور ہر وقت بیت اللہ میں حاضر ہو کر پروردگار کی حمد کیا کرتے تھے۔(لوقا ۲۴: ۵۰ تا ۵۳)

انجیل کے صلیبی واقعات وقرآن

یہ ہیں انجیلی "واقعات" جن کو قرآنِ پاک نے اپنے طرزِ پُر مغز میں ان دو جملوں میں بیان کیا ہے کہ "یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی" لیکن ہمارے کرم فرما نے چونکہ انجیل جلیل کو بچشم خود ملاحظہ نہیں فرمایا ہے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ صلیب پر چڑھانا یہ معنی رکھتا ہے کہ انسان یقیناً اور فوراً مر جاتا ہے"۔آپ کا یہ کہنا تو صریحاً کم فہمی کا نتیجہ ہے کہ انسان "یقیناً" نہیں مرتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ "یقینا" نہیں مرتا تھا تو صلیب دینا ہی فعل عبث تھا۔ البتہ آپ کا یہ کہنا کہ "فورا" نہیں مرتا تھا" اس حد تک صحیح ہے جہاں تک "واقعات کا اقتضا ہو۔ازبس کہ نقالی جناب کی طبیعت ثانی بن چکی ہے آپ وہی کچھ لکھتے ہیں جو آپ کے استادِ ازل سرسید مرحوم لکھ چکے ہیں۔ کاش آپ خود تحقیقات کی زحمت برداشت کرتے تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ صلیب کی صرف وہی ہیئت نہیں ہے جس کو آپ نے سرسید مرحوم کی تفسیر القرآن سے نقل کیا ہے بلکہ اس کی تین مختلف ہیئتیں تھیں جن کی رسوم یہ ہیں۔ X T +

اسی طرح شخص مصلوب کی بھی تین صورتیں ہوتی تھیں (۱۔) شخص مصلوب کو صلیب کی نشست پر لٹکا کر اس کے ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو علیحدہ علیحدہ ایک پاؤں کو دوسرے پر رکھ کر رسیوں سے خوب مضبوط باندھ دیتے تھے۔ اس صورت میں شخص مصلوب کی موت تمازتِ آفتاب یا دیگر موسمی اثرات اور گرسنگی و تشنگی کی وجہ سے چند یوم کے بعد واقع ہوتی تھی (۲) شخص مصلوب کے دو نو ہاتھوں کو صلیب کے دو نو بازوؤں پر پھیلا کر بڑے بڑے کیلوں سے جڑ دیتے تھے او رپاؤں کو رسی سے باندھ دیتے تھے۔ چونکہ اس صورت میں زخموں کی تکلیف کے علاوہ خون بھی جاری رہتا تھا شخص مصلوب کی موت نسبت اول جلد واقع ہوتی تھی۔(۳۔) شخص مصلوب کے ہاتھوں کے علاوہ اس کے پاؤں بھی گاہے علیحدہ علیحدہ اور گاہے ایک ساتھ کیلوں سے جڑ دیتے تھے۔ اس صورت میں جریان خون کی شدت، زخموں کی عفونت، اور مسموم الدم ہونے کی وجہ سے شخص مصلوب بہت جلد ہی مرتا تھا(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب کی آخری صورت تھی اور پردہ دل کا شگاف اس پر افضافہ تھا)۔(لغات بائبل از تصنیف جان۔ ڈی ڈیوس صاحب انگریزی و انڈین چرچ کامنٹری انجیل متی انگریزی)خود اس واقعہ سے بھی جس کو سرسید مرحوم نے اپنی تفسیر القرآن میں نقل کیا ہے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ صلیبی زخم نہایت خطرناک ہوتے تھے اور فی الفور اتارنے اور باقاعدہ علاج معالجہ کرنے کے باوجود مشکل سے کسی کی جان بچتی تھی۔ چنانچہ یوسی بیس سے تین رفیقوں میں سے جن کو اس نے صلیب سے اتروایا دو مرگئے اور بہ مشکل جانبر ہوسکا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکالیف میں اور ان کی تکالیف میں کوئی نسبت نہ تھی۔

حضرت روح اللہ کی تکالیف

اناجیل کی ان "روایات" سے جن کو ہم نے اوپر نقل کیا ہے اور نیز دیگر مقامات سے صاف ظاہر کہ حضرت عیسیٰ کو ۳۶شبانہ روز تک نہ سونے کے لئے وقت دیا گیا اور نہ کھانے پینے کے لئے فرصت دی گئی اور نہ سانس لینے کے لئے مہلت دی گئی۔ بلکہ اس اثناء میں چار بار نہایت بے دردی کے ساتھ آپ کو پٹوایا گیا جس کا خاتمہ رومی تازیانہ پر ہوا۔ جس کی ساخت

کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ وہ چمڑے کی ایک لمبی تھیلی ہوتی تھی جس کے اندر لوہے کی نوکدار کیلیں۔ اور سیسے کے ناہموار ٹکڑے ، اور ھڈیوں کے ریزے اور اس قسم کی دیگر اشیاء بھر دی جاتی تھیں۔ انسان کو برہنہ کرکے اس سے درُے لگواتے تھے۔ انسان کے جسم پر جہاں کہیں یہ پڑتا تھا وہاں کا گوشت علیحدہ ہو کر ہڈی دکھائی دیتی تھی۔ اور بعض اوقات صرف اسی کی ضرب سے موت واقع ہوتی تھی (ماڈرن سٹوڈنٹس لائف آف کرائسٹ ، از تصنیف والمر صاحب صفحہ ۲۵۵)۔ ڈین فرر صاحب اپنی مشہور آفاق کتاب لائف آف کرائسٹ میں لکھتے ہیں کہ اس وحشت زا تازیانہ کا نمونہ اس تہذیب کے زمانہ میں سطح زمین پر کہیں نہیں مل سکتا ہے بجز روسی گرہ دار تازیانہ کے ۔ اس کے علاوہ آپ کے سر مبارک پر جو پہلے بہت کچھ زخمی ہوچکا تھا کانٹوں کا تاج باندھا گیا۔ ضعف وناتوانی کی یہ حالت تھی کہ اپنی صلیب تک نہیں اٹھاسکتے تھے جس کو ایک معمولی طاقت والا شخص بہ آسانی اٹھاسکتا تھا ۔ صلیب پر آپ کے دونو ہاتھوں اور پاؤں میں بڑے بڑے کیل ٹھونکے گئے ۔ یاردیا نوگھنٹوں تک آپ صلیب پر آویزاں رہے اور بلاآخر آپ کی پسلی عین دل پر بھالے سے شق کردی گئی ۔ یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی موت نو یا بارہ گھنٹوں کے بعد واقع ہوئی ۔ ان واقعات کے پڑھنے کے بعد بجز اُس شخص کے جو بیدرد بے رحم ، ظالم ، اور اقسی القلب واقع ہوا ہو اور کوئی شخص حضرت روح اللہ کی عجالی موت پر تعجب نہیں کرسکتا ہے۔ بلکہ وہ اس پر تعجب کریگا کہ اس قدر الام اور مصائب کے جھیلنے کے بعد کس طرح ۹ یا ۱۲ گھنٹوں تک صلیب پر زندہ رہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ " آپ پر شدت تکلیف سے غشی کی سی کیفیت طاری تھی اور سب نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ آپ مرگئے ۔" رومی سلطنت کے قوانین سے ناواقف ہونا اور یہودیوں کی سنگدلی سے بے خبر ہونے کا نتیجہ ہے۔ بھلا کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ یہودیوں کے سے دشمن جو مسیح کا خون پینے کے لئے ماہئیے بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ یہ غفلت کریں کہ مسیح زندہ اتار لئے جائیں۔ بھلا رومی سپاہی جو اس قانون سے خوب واقف تھے کہ شخص مصلوب کے زندہ اتارنے میں کیسی سخت سزا ملیگی۔ یہ غلطی کرسکتے تھے ؟ حضرت ! اسی غلطی " سے بچنے کی خاطر ایک سپاہی نے بجائے ٹانگ توڑنے کے مسیح کی پسلی پر کاری زخم لگایا تا کہ حضرت عیسیٰ کی موہوم " غشی کی سی کیفیت " فی الفور موت سے تبدیل ہوجائے۔

چند جلیل القدر مسلمان بھی ہم سے متفق ہیں

بالجملہ قرآن پاک اور انجیل جلیل دونو اس پر متفق ہیں کہ فی الحقیقت خدا نے مسیح کو پہلے موت دی اور اس کے بعد ان کو زندہ کرکے بہ جسد عنصری آسمان پر اٹھا لیا۔ چنانچہ جلیل القدر اور مایہ ناز مسلمان بھی ہم سے متفق ہیں۔ چنانچہ " وہب کا یہ قول ہے کہ حضرت عیسیٰ تین گھنٹے تک مردہ رہے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ اور محمد ابن اسحاق کا قول ہے کہ آپ سات گھنٹے تک مردہ رہے ۔ پھر زندہ ہوئے اور آسمان پر چلے گئے ۔ اور ربیع ابن انس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھاتے وقت آپ کو موت دی "(سرسید مرحوم کی تفسیر القرآن بحوالہ تفسیر کبیر سورہ آل عمران)۔

آیت وما قتلوہ وما صلبوہ کی مسیحیانہ تفسیر

اب اس سوال کا جواب دینا باقی رہ گیا کہ اگر ہمارے خیالات درست ہیں تو آیت ما قتلوہ و ما صلبوہ " کی کیا تفسیر ہوسکتی ہے جس میں مصلوبیت کی مطلق نفی کی گئی ہے اس کا جواب نہایت سہل ہے وہ یہ کہ ہم حضرت نیاز (اور درحقیقت سرسید مرحوم) کے اس قول کے ساتھ بالکل متفق ہیں کہ اس آیت میں اصل مقصود یا نتیجہ صلیب کی نفی کی گئی ہے نہ کہ صلیب پر چڑھانے کی ۔ لیکن نتیجہ کے عین کرنے میں ہم کو حضرت نیاز سے اختلاف ہے۔ حضرت نیاز سرسید مرحوم کی تقلید میں فرماتے ہیں کہ صلیب کا نتیجہ موت تھا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ نہیں جناب۔ اگر یہودیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کو صرف مار ڈالنا ہی " مقصود" ہوتا تو آپ کو مار ڈالنے کے اور بہت سے طریقے تھے اور نہایت سہولت کے ساتھ ان طریقوں کو

استعمال کرسکتے تھے۔ لیکن صلیب دینے پر ان کو کیوں اس قدر اصرار تھا کہ " اس کو صلیب دے صلیب دے"۔ جس سے یہودیوں کا " اصل مقصود یہ معلوم ہوتاہے کہ حضرت مسیح کو تورات مقدس کی اس آیت کا کہ " اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیاہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اوروہ مارا جائے اور تواسے درخت پر لٹکائے ۔ تو اس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تو اسی دن اسے گاڑدے کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتاہے خدا کا ملعون ہے"(استشنا باب ۲۱آیات ۲۲تا۲۳)۔

مصداق بناکے آپ کی نبوی عظمت اور وقار کو صدمہ پہنچا کرآپ کا معاذ اللہ " ملعون " ثابت کریں تا کہ آپ کا مرفوع الی العشد ہونا- متعذر سمجھا جائے ۔ پس یہودیوں کے نزدیک صلیب کا" نتیجہ" صرف قتل ہی نہیں تھا بلکہ قتل باللغت تھا- اسی نتیجہ کی تردید میں اللہ فرماتاہے کہ " مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلاَّ اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللّهُ إِلَيْهِ
(سورہ نساء ۱۵۶)

یعنی یہودیوں کا مسیح کے متعلق یہ کہنا کہ ہم نے اس کو لعنت کی موت مارا بلکہ خدا نے اس کو زندہ کرکے اپنی طرف اٹھالیا-" صرف قرآن مجید ہی نے یہودیوں کے اس کفر آمیز قول کی تردید نہیں ہے کہ بلکہ مقدس پولوس نے بھی ان کے اس ناپاک قول کی تردید کی کہ " پس میں تمہیں جتاتا ہوں کہ جو کوئی خدا کی روح کی ہدایت سے بولتاہے وہ نہیں کہتا کہ یسوع معلون ہے اور نہ کوئی روح القدس کے بغیر کہہ سکتاہے کہ یسوع خداوند ہے"۔(۱کرنتھیوں ۱۲: ۳)۔

پس آیت بالا کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ یہودیوں نے جس نتیجہ کو مدِ نظر رکھ کر مسیح کو مصلوب کیا اس نتیجہ کے اعتبار سے نہ توانہوں نے اس کو مصلوب کیا اور نہ متقول کیا بلکہ خدا نے اس کو بہ جسد عنصری نہایت عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھالیا-"

علمائے اہلِ سنت والجماعت سے خطاب

مسلمان بزرگوں اور قابلِ تعظیم عالمو! اگرآپ ہماری تفسیر مافوق کو جو قرآن مجید اور انجیل جلیل کے عین مطابق ہے قبول نہ کریں تو یاد رکھیں کہ قرآن مجید پر ایسا سنگین اعتراض وارد ہوتا ہے جو آپ کے اٹھائے نہ اٹھ سکیگا- ہم اس اعتراض کو مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کی ایک بات سے انہی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ " قرآن کریم کے الفاظ کے ہم کو ایسے معنی نہیں کرنے چاہئیں جو بالبداہت تاریخ کو باطل کرتے ہوں- یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص صرف اسی قدر الفاظ ماقتلوہ ماصلبوہ سے یہ نتیجہ نکال کر قتل کی مانند یا صلیب کی مانند بھی کوئی فعل حضرت مسیح پروارد نہیں ہوا- لیکن یہ نتیجہ لازمی نہیں- اورجب ہم تاریخ میں اس امر کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف یہودی مدعی ہیں کہ ہم نے مسیح کو پکڑ کر صلیب پر چڑھایا - اور دوسری طرف عیسائی جو حضرت مسیح کے پیرو ہیں وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ واقعی صلیب پر حضرت مسیح کو لٹکایا اور کوئی تاریخ اس وقت کی ایسی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح صلیب پر نہیں چڑھائے گئے - اب اگر ایک شخص چھ سو سال کے بعد یہ کہہ دے کہ نہیں وہ صلیب پر نہیں لٹکائے گئے تھے تو اس بات کو کون مانیگا؟ قرآن کریم کے معنی کرنے میں یہ امر ملحوظ رکھا جائیگا کہ اگر ایک لفظ کے دو طرح معنی ہوسکتے ہیں توہم وہی معنی اختیار کرینگے جو تاریخ کے خلاف نہیں" (عیسویت کا آخری سہارا صفحہ ۱۷)۔

جماعت احمدیہ اور انکے ہم خیالوں سے خطاب

میرے محترم بزرگوار ! یہی اعتراض بالاآپ پر بھی وارد ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کے توآپ قائل ہیں لیکن آپ کی صلیبی موت کے قائل نہیں ہیں- کیونکہ جب ہم تاریخ میں اس امر کو دیکھتے ہیں کہ ایک طرف یہودی مدعی ہیں کہ ہم نے مسیح کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا کر مارڈالا اور دوسری طرف ہم عیسائی جو حضرت مسیح کے پیرو ہیں اس بات کی

گواہی دیتے ہیں کہ واقعی صلیب پر" آپ فوت ہوئے اور کوئی تاریخ اس وقت کی ایسی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح صلیب " نہیں فوت ہوئے۔اب اگر ایک شخص چھ سو سال بعد یہ کہہ دے کہ نہیں وہ صلیب پر نہیں فوت ہوئے تو اس بات کو کون مانیگا؟ پس حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کی صحیح تسلیم کرکے آپ کے صلیبی موت سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسا مینہ سے بچنے کی خاطر پرنالہ کے نیچے کھڑا ہوجانا۔ فتفکروا یا اولیٰ الالباب۔

حصہ دوم

اَنِی قَد جئتکمہ با یۃٍ مِن رَبکمہُ

آپ اپنے مضمون زیر تنقید کے تیسرے حصے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

تیسرا حصہ اس بحث کا مسیح کے معجزات سے متعلق ہے۔ سب سے پہلا معجزہ تو یہ ہے کہ آپ نے گھوارہ میں گفتگو کی۔ اس کے متعلق ہم کوئی مزید بحث نہ کرینگے۔ کیونکہ گذشتہ صفحات میں ہم اس حقیقت کو واضح کرچکے ہیں۔ اور گھوارہ سے بات کرنیکا مفہوم صغرسنی میں بات کرنے کا ہے اور یہ کوئی معجزہ نہیں۔ باقی اور معجزات وہ ہیں جن کا ذکر سورہ مائدہ اور آل عمران میں ہے۔ دو آیتیں یہ ہیں:

أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّهِ وَأُبْرِىءُ الأكْمَهَ والأَبْرَصَ وَأُحْيِـي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (سورہ آل عمران ۴۸)۔

" میں لایا ہوں نشانی تمہارے رب کی طرف سے یہ میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے طائر کی سورت میں۔ پھر پھونکتا ہوں اس میں۔ بس وہ ہوجاتا ہے طائر اللہ سے حکم سے۔ اور اچھا کرتا ہوں اندھے کو، کوڑھی کو اور جلاتا ہوں مردہ کو اللہ کے حکم سے اور خبردار کرتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو گھروں میں بچاتے ہو۔ تحقیق کہ اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو"۔

إِذْ قَالَ اللّهُ يَا عِيسى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلاً وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِىءُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوتَى بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ إِنْ هَـذَا إِلاَّ سِحْرٌ مُّبِينٌ (سورہ مائدہ ۱۱۰)

ترجمہ جب کہیگا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم یاد کر میری نعمت کو اپنے اوپر اور اپنی ماں کے اوپر جب میں نے مدد کی تیری روح القدس کے ذریعہ سے۔ تو نے بات کی اور لوگوں سے گھوارہ میں اور بڑھاپے میں جب میں نے سکھائی تجھ کو کتاب۔ حکمت، توریت اور انجیل، اور جب بنایا تونے مٹی سے طائر کی صورت میں میرے حکم سے اور اچھا کیا تونے اندھے کو کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب تونے نکالا مردے کو میرے حاکم سے اور جب میں نے باز رکھا بنی اسرائیل کو تجھ سے جبکہ تو ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لایا۔ لیکن وہ کافروں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے"۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُواْ اللّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ قَالُواْ نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيداً

لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ قَالَ اللّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لاَّ أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ

(سورہ مائدہ آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)۔

" جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ ابن مریم کیا تیرا رب ایسا کریگا کہ وہ اتارے دستر خوان آسمان سے ۔ کہا اس نے ڈرو اللہ سے اگر تم ایمان والے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس ۔ اس خوان سے اور مطمئن ہوجائیں ہمارے قلوب اور ہم جان لیں کہ بیشک تونے سچ کہا ہے اورہم اس پر گواہ ہوجائیں۔ کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے میرے پروردگار اتار ہم پر دستر خوان آسمان سے تاکہ ہوجائے ہمارے لئے مسرت ہمارے اگلوں کے لئے اور پچھلوں کے لئے اور نشانی تیری طرف سے اور ہمیں روزی دے اور تو بہتر روزی دینے والا ہے ۔ کہا اللہ نے میں اتارنے والا ہوں خوان تمہارے اوپر۔ لیکن اگر کوئی نافرمانی کریگا اس کے بعد تم میں سے ۔ تو اس کو میں ایسا عذاب دونگا کہ عالم کے لوگوں میں سے کسی ایک کو ویسا عذاب نہ دیا ہوگا"۔

" سوائے معجزہ نزول مائدہ کے اورجتنے معجزات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب آل عمران اور سورہ مائدہ کی آیتوں میں مشترک ہیں یعنی جو معجزات سورہ آلِ عمران میں بیان کئے گئے ہیں انہیں کا ذکر سورہ مائدہ میں بھی ہے۔ لیکن فرق انداز بیان کا ضرور ہے ۔آل عمران میں خود حضرت عیسیٰ اپنی زبان سے ان کا اظہار کررہے ہیں کہ میں ایسا کرتا ہوں ۔ ایسا کرسکتا ہوں۔ اور سورہ مائدہ میں خدا اپنی نعمتوں کے سلسلہ بیان میں حضرت عیسیٰ پر ظاہر کرتا ہے کہ یاد کرواس وقت کو جب تم ہمارے حکم سے ایسا اور ایسا کرسکتے تھے۔ لیکن چونکہ باتیں دونوں جگہ ایک ہی ہیں اس لئے علیحدہ علیحدہ بحث کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ۔ ان آیتوں سے جن معجزات کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں:

(۱۔) مٹی کی چڑیا بنا کر حضرت عیسیٰ اس کے اندر پھونک مارنا اور اس کا اڑجانا۔

(۲۔)اندھے کوڑھیوں کو اچھا کرنا۔

(۳۔)مردہ کو زندہ کرنا۔

(۴۔)غیب کی خبر دینا اس قبیل سے کہ لوگ کیا کھاتے ہیں اور گھروں میں کیا رکھتے ہیں۔

(۵۔)عیسیٰ کی دعا پر آسمان سے دستر خوان کھانے کا نازل ہونا۔

معجزہ اول کے متعلق بعض مفسرین کا بیان ہے کہ واقعی وہ مٹی کی چڑیا بناتے تھے اور ان میں جان ڈال دیتے تھے بعض کا خیال یہ ہے کہ جن میں سرسید مرحوم بھی شامل ہیں کہ یہ واقعی حضرت عیسیٰ کی عہدِ طفلی کا ہے اور بچپن میں لڑکے اس قسم کی باتیں کیا ہی کرتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ دونو باتیں سمجھ سے باہر ہیں۔ وہ اس لئے کہ کسی جاندار شے کو پیدا کرنا کسی چیز میں جان ڈالنا صرف اللہ کا کام ہے اور یہ اس لئے کہ اگر مٹی کی چڑیاں بنا کر ان میں جان ڈال دینے کا واقعہ صرف ان کے عہد طفلی کے متعلق ہوتا تو خدا اپنی نعمتوں کے سلسلہ بیان میں اس کا ذکر کرتا جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

انجیل کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جہاں جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب قصص وحکایت اور امثال وتشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے لٹریچر کی یہی شان تھی اس لئے غور کرنا چاہیے کہ لفظ خلق سے یہاں کیا مراد ہے اور نفخ کے بعد طائر کی طرح اڑنا کی کیا معنی رکھتا ہے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ لفظ خلق پیدا کرنے کے معنی میں توہوہی نہیں سکتا کیونکہ متعدد آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق(پیدا کرنا) صرف خدا کا کلام ہے اور یہ صفت صرف اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے اس جگہ لفظ خلق کے معنی صرف لنازہ کرنے یا عزم کرنے کے ہیں (اس لفظ کے یہ معنی بھی عربی زبان میں آتے ہیں)طین (مٹی سے)انسان کی ضعیف

پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔ نفخ سے مقصود احکام الہٰیہ کی تعلیم ہے۔ اور طیر سے وہ انسان مراد ہیں جو عام سطح انسانی سے بلند ہوجائیں۔

کلام مجید میں انسانوں کو داتبہ اور طائر سے تشبیہ دی گئی ہے اور (ملاحظہ سورہ انعام آیت ۳۸ ومامن دابتہ الخ) اسی طرح ناسمجھ لوگوں کو جانوروں (انعام) سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے اس آیت کے یہ معنی ہونے کہ تم لوگوں کو جو مٹی سے بنے ہو یعنی اپنی پیدائش کے لحاظ سے بہت حقیر ہو میں طائر کی سی ہئیت دینے کا عدم کرتا ہوں اور پھر تعلیم الہٰی دے کر واقعی بلند پرواز اور بلند خیال انسان بناتا ہوں۔

اندھے، کوڑھی اور مردہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی روحیں بیمار اور مراد ہیں۔ انجیل میں اکثر جگہ بیمار بول کر گنہگار مراد لیا گیا ہے اور وہ خود کلام مجید میں بھی اعماد اور اموات (اندھوں اور مردوں) سے گنہگار اور کافر مراد ہیں ۔ مثلاً وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاء وَلَا الْأَمْوَاتُ (سورہ فاطر آیات ۲۲)۔ اس لئے اندھے کوڑھیوں کو اچھا کرتے ہوئے اور مردوں کو زندہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ میں گنہگاروں سے ان کے گناہ چھڑاتا ہوں اور جو روحیں معصیت سے مردہ ہیں ان کو اخلاق کی تعلیم دے کر زندہ کرتا ہوں۔

مسیح کی خاص تعلیم یہ تھی کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے اللہ کی راہ میں صرف کردو اور کل کے لئے کچھ نہ رکھو۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں لوگ کثرت سے سود خوار تھے اور گھروں میں دولت جمع رکھتے تھے خواہ قوم پر کوئی آفت آجائے۔ اسی امر کی طرف اشارہ ہے ان الفاظ سے (وانبئکمہ بما تاکلون وماتد خترون یعنی میں تم کو بتاتا ہوں یا تنبیہ کرتا ہوں کہ تم کتنا اور کیا کھاتے ہو اور کیا جمع کرتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آیت سے اخبار عن الغیب کیونکر سمجھ لیا گیا۔

اب رہا مائدہ کا آسمان سے نازل ہونا۔ سو کلام مجید سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مائدہ نازل کیا گیا ہے۔ البتہ عیسیٰ سے حواریوں نے اس کی خواہش کی تھی۔ اور آپ نے دعا بھی کی تھی لیکن اس کے بعد اس کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ مایدہ اتارا گیا۔ علاوہ اس کے مایدہ سے یہاں مراد واقعی کھانے کا دستر خوان نہیں ہے۔ بلکہ مقصود صرف روزی ہے اور عیسیٰ کی یہ دعا اسی قبیل سے تھی جیسی کہ انجیل میں پائی جاتی ہے کہ " اے خدا آج کے دن کی ہماری خوراک دے۔"

مایدہ کی ان آیتوں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں نے وسعتِ رزق طلب کی تھی اور اسی کی دعا حضرت عیسیٰ نے کی تھی۔ سو اس کے مقبول ہونے کا ثبوت آج کل عیسایئوں کی دنیاوی ترقی سے مل سکتا ہے۔"

بحث مافوق کا ملحض

بحث مافوق کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس کا ملحض پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا جو قرار ذیل ہے۔

(۱۔) حضرتِ عیسیٰ نے جہاں جہاں جو کچھ ارشادفرمایا ہے وہ سب قصص وحکایت اور امثال وتشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے۔لہذا؟"

(۲۔) لفظ خلق سے مراد اندازہ کرنے یا عزم کرنے کے ہیں۔ طین سے انسان کی ضیف پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔ نفخ سے مقصود احکام الہیٰ کی تعلیم ہے ۔ اور طیر سے وہ انسان مراد ہیں جو عام سطح انسانی سے بلند ہوجائیں۔"

(۳۔)"وانبئکمہ بما تاکلون وماتہ عرون سے اخبار عن الغیب مراد نہیں۔"

(۴۔) مائدہ سے مراد طلب رزق ہے جس کے مقبول ہونے کا ثبوت آج کل عیسائیوں کی دنیاوی ترقی سے مل سکتا ہے۔"

(۵۔) اندھے کوڑھی اور مردہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی روحیں بیمار اور مردہ ہیں۔"

(٦-) ہمیں پھر وہی کہنا پڑا جو اس سے قبل چند بار دہرا چکے ہیں یعنی آپ کے مضمون کا یہ حصہ بھی جناب کی تراوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ابتدا سے لے کر انتہا تک جب مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے نکات القرآن سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کلام میں مجازو استعارہ کا استعمال بہت پایا جاتا ہے اور آپ کے کلام کا ایک بڑا حصہ تمثیلات میں ہے" (نکات القرآن حصہ سوم صفحہ ۲۴۳) البتہ اس عبارت میں آپ نے یہ جدتِ طرازی کی ہے کہ جہاں مولوی صاحب مذکورہ الصدری نے ایک" بڑا حصہ " لکھاہے وہاں آپ نے یہ لکھا ہے کہ " حضرت عیسیٰ نے جہاں جہاں جوکچھ ارشاد فرمایا ہے۔ سب قصص وحکایت اور امثال جلیل دیکھی نہیں ہے۔آپ کی شان میں سرسید مرحوم کی یہ تمثیل کیا ہی صادق آتی ہے کہ " ان کی (حضرت نیاز (جیسے لوگوں) مثال اندھے آدمی کی سی ہے کہ وہ اس رستہ پر جو اس کو کسی نے بتلادیا ہے چلا جاتا ہے اوراس کے ٹھیک ہونے پر یقین رکھتاہے اور خود نہیں جانتا ہے کہ درحقیقت یہ رستہ اسی جگہ جاتاہے جہاں اس کو جانا ہے یا نہیں ۔ پھر اگر کسی نے کہہ دیا کہ میاں اندھے آگے گڑھا ہے یادیوار ہے تووہ بغیر کسی شک کئے اس پریقین کرلیتاہے اور ٹھہر جاتا ہے۔ پھر جس نے راہ بتائی اس طرف ہولیا" (تفسیر القرآن آل عمران صفحہ ۴۶)۔ چاروں انجیلیں زیادہ سے زیادہ چار پیسوں کے معاوضہ میں آپ کو مل سکتی تھیں اگر احمدیت کی اس کورانہ تقلید کو چھوڑ کر آپ خود ان کا مطالعہ کرتے توآپ کو اس قدر فضیحت اور رسوائی سے سابقہ نہ پڑتا لیکن جس نے کہا ہے بجا کہاہے کہ "اندھوں کی اگرآنکھیں ہوتیں توان کو شرم بھی معلوم ہوتی ہے۔"

لیجئے جناب ! اب میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ " جہاں جہاں" حضرت عیسیٰ نے جوکچھ بھی قصص وحکایت اور امثال وتشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے " ان سب کی تعداد ۲۶ سے زیادہ نہیں ہے جس کو ہم آپ کی خوشنودی کی خاطر ۳۰ بلکہ ۴۰ فرض کرلیتے ہیں۔اب اگر آپ ان تیس یا چالیس " امثال وتشبیہات" کو اناجیل کی باقی تعلیمات سے مقابلہ کریں توآپ پر روشن ہوجائیگا کہ ان میں وہ نسبت بھی نہیں ہے جو نمک کو آٹے کے ساتھ ہے۔ پس جس طرح آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ " حضرت عیسیٰ نے جہاں جہاں جوکچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب قصص وحکایت اور امثال وتشبیہات کی صورت میں بیان کیا ہے۔اسی طرح آپ کے امام الہام کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ " آپ کے (حضرت عیسیٰ) کے کلام کے ایک بڑا حصہ تمثیلات میں ہے۔"

اب میں اس پر ایک اور نقطہ نظر سے بحث کرونگا اور یہ کہ میں تقدمآب اور ان کے شاگرد رشید حضرت نیاز سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہ مجھے یہ بتلائیں کہ اگر میں یہ فرض کروں کہ "حضرت عیسیٰ کے کلام کا ایک بڑا حصہ تمثیلات میں ہے"۔ اورآپ کے کلام میں مجاز اوستعار کا استعمال بہت پایا جاتا ہے" تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جہاں جہاں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے" وہ سب قصص وحکایت اور امثال وتشبیہات کی صورت" میں بیان کیا ہے ۔ اگرآپ اس سوال کاجواب اثبات کی صورت میں دیں تو پھر وہ قرآن کی نسبت آپ کیا کہینگے ؟ کیونکہ قرآن مجید میں جس قدر قصص وحکایت اورامثال تشبیہات ومجازوات بھرے پڑے ہیں جن کا عشر عشیر بھی اناجیل میں موجود نہیں ہے۔ اور اگرآپ اس کا جواب نفی میں دیں تو گویا کہ خود آپ بھی اپنی اس تعبیر کے رکیک ہونے پر مہر کردی کہ حضرت عیسیٰ کا معجزہ خلق الطیر " استعارہ کے رنگ کا کلام ہے۔

اگرچہ اصولی اوراجمالی طورپرآپ کے مضمون کے اس تیسرے حصہ کا مکمل جواب ہوچکامزید بحث کی مطلق ضرورت نہیں رہی لیکن صرف اس لئے کہ آپ کے دل میں کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے ہم آپ کی باقی شقوں پر بھی بحث کریں گے۔

(ب-) اس شق میں آپ نے تقدس مآب مولوی محمد علی صاحب کے خیالات کا جو خاکہ اتارا ہے اس سے معلوم ہوتاہے کہ آپ نہ صرف عربیت سے بے بہرہ ہیں بلکہ قرآن پاک

کی عزت و عظمت سے بھی محروم ہیں۔آپ کی دیانت اور امانت کی یہ کیفیت ہے کہ بغیر اس کے کہ "آپ قرآن پاک کا منشا دریافت کریں۔ سیاق وسباق کا خیال رکھیں۔ علم اصول تفاسیر، اور عربی علم اللسان کی طرف رجوع کریں۔ یا کسی ماہر زبان دان سے مشورہ لیں جو کچھ تقدس مآب کے قلم سے نکلتا ہے اس پر آپ کا ایسا ایم مستحکم ہوجاتاہے کہ پھر وہ کسی صورت سے متزلزل نہیں ہوسکتا ہے خواہ اس سے قرآن پاک کی کتنی بےعزتی ہی کیوں نہ ہو۔درحقیقت آپ کے مقتدی جناب تقدس مآب نے قرآن مجید کے ساتھ وہی کیا ہے جو دیانند جی نے ویدوں کے ساتھ کیا تھا۔ کاش خدا آپ کو قرآن فہمی کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

قبلہ! کسی لفظ کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے " یہ مراد ، " وہ مراد " ہے نہایت آسان ہے جس طرح میرے لئے یہ کہنا نہایت سہل ہے کہ " نیاز[1] " سے مراد" پیاز" ہے ۔ لیکن اس کو ثابت کرنا بے حد مشکل ہے اوراس سے بھی زیادہ تر مشکل اس کا ثابت کرنا ہے کہ "طین" سے انسان کی ضعیف پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔" اور نفخ' سے مقصود احکام الٰہیہ کی تعلیم ہے ۔" اور طیر" سے وہ انسان مراد ہے جو عام سطح انسانی سے بلند ہوجائیں " اگر آیت زیر بحث میں یہی تین الفاظ ہوتے تو آپ کی تاویل کی گنجائش کا امکان ہوتا لیکن اس میں ایسے جملے ہیں جو آپ کی کشتی مراد کو نامرادی کے ساحل پر پاش پاش کردینے کے لئے کافی ہیں وہ یہ ہیں ۔(۱) انی قد جئتکمہ بآیۃ (۲) کھیئتہ الطیر (۳) باذن اللہ۔ ۔

جملہ اول میں لفظ آیت موجود ہے جس کو تمام بڑے بڑے مفسرین نے بالا اتفاق بمعنائے معجزہ تسلیم کیا ہے۔ اور درحقیقت یہاں پر اسکے معنے بجز معجزہ کے اور کچھ نہیں ہوسکتے ہیں۔"

[1] نیاز اور پیاز میں صنعت تبادلہ الراسین ہے۔ یعنی اگر نیاز کے دنون کو پیاز کے پے کی جگہ رکھ دیں تو پیاز نیاز ہوگا اور اگر پیاز کی پے کو نیاز کے نون کی جگہ رکھدیں تو نیاز پیاز ہوجائیگا۔ (سلطان)

اگر جناب کا یہ فرمانا صحیح ہوتا کہ طیر سے مراد انسان کی بلند پروازی" ہے تو جملہ دویم کا ہونا حشو بلکہ مہمل ٹھیرتا ہے اور صحیح طور پر خدا کو حضرت عیسیٰ کی زبانی یوں بیان کرنا چاہیے تھا کہ " انی قد جئتکمہ لانفخ فیکمہ فتکون طیراً"۔

جملہ سوئم اس معجزہ کی اہمیت اور عظمت پر دلالت کررہا ہے۔ کیونکہ اگر اس میں یہ الفاظ (باذن اللہ) نہ ہوتے تو خدا کی صفت خالقیت میں مسیح کا شریک ہونالازم آتا اس لئے خدا نے اس کو اپنی طرف نسبت دے کر اس مشرکانہ خیال کی تردید فرمائی۔ اور اگر یہ کوئی معمولی بات ہوتی تو جملہ باون اللہ لانا بمشکل عبث تھا۔

آیت مافوق کی تفسیر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے

مجھ کو یقین ہے اُمتِ قادیانی کے دونوں فریق اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر کرنے اور اس کے نکات اور معارف کے بیان کرنے میں جو فضیلت[2] اور مرتبہ خدا کی طرف سے مرزا صاحب عفر اللہ ذنوبہ کو ملا تھا کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوسکا۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آیت مافوق کے متعلق مرزا صاحب عفر اللہ ذنوبہ کی طرف رجوع کریں کہ وہ اس آیت کی کیا تفسیر کرتے ہیں اور پیرومرید کا قصہ قارئین کے تصیفہ پر چھوڑتے ہیں۔

تشخیذ الاذہان کے ایڈیٹر صاحب ایک مسلمان مولوی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

الجواب: حوالہ میں سخت بددیانتی سے کام لیا گیا ہے اصل بات یوں ہے کہ حضرت اقدس نے خلق طیر کے مسئلہ کو اس رنگ میں تو نہیں مانا جس سے شرکِ لازم آئے

[2] مرزا صاحب کے یہ الہامات ملاحظہ علب ہیں" اور میں نے تجھ کو تیرے وقت کے تمام عالموں پر فضیلت دی" قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں(سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد اول صفحہ ۴۸۲) (سلطان)

یعنی یوں نہیں ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے چمگادڑ بنائے ہوں جن میں گوشت پوست سلسلہ توالد و تناسل ہو۔ کیونکہ اس امر کو یہ روایات روکتی ہیں۔

(۱۔) قل ھل من شرکاء بکمہ من یبداء الخلق (ترجمہ)

ہے کوئی تمہارے معبودوں میں سے جو خلق کرے؟

(۲۔) ام جعلو اللہ شرکا خلقو الخلقہ فتشا بہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شئی : ترجمہ کیا یہ ایسے شرکا کے قائل ہیں جنہوں نے اللہ کی طرح خلق کیا ہو اور پھر دونو کی مخلوق ہو گئی ہو۔ کہدے اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

(۳۔) ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذباناً ولراجتموالہ زجن کو یہ پکارتے ہیں تو وہ سب کے سب مل کر ایک مکھی بھی نہیں بناسکتے)ہاں معجزہ کی حد تک ان الفاظ میں مان لیا ہے۔

" ان پرندوں میں واقعی اور حقیقی حیات نہیں پیدا ہوتی تھی۔ بلکہ صرف عقلی اور مجازی اور جھوٹی حیات جو عمل الترب کے ذریعہ سے پیدا ہوسکتی ہے " (صفحہ ۲۱۸)۔

اوراسے بھی معجزہ ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ معجزہ کی تعریف میں لکھا ہے :

واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شق القمر ----- دوسرے عقلی معجزات جو اس خارق عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو الہام الہیٰ سے ملتی ہے۔ ------ اب جاننا چاہیے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتاہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمان کے معجزے کی طرح صرف عقلی تھا یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان دونوں میں جیسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے(۳۲) یہ ہے اصل" حوالہ" بظاہر ایسا معلوم ہوتاہے کہ "آپ نے حذف کردیا پھر اوپر کی عبارت نہ لکھی جس سے یہ ظاہر ہوتاہے کہ حضرت اقدس جسے عقلی فرمارہے ہیں۔ اس کی نسبت یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ یہ عقل خارق عادت طورپر بذریعہ الہام الہیٰ ملتی ہے۔ اور معجزہ خارق عادت اور الہام ہی کا نام ہے۔ پس جب حضرت اقدس خلق طیر کو معجزہ و تسلیم کررہے ہیں تو پھر اعتراض کیسا؟" (نمبر جلد ۱۰ صفحہ ۲۵)۔

لفظ اخلق پر بحث

چونکہ میں نے اس کتاب میں اس بات کا التزام کیاہے کہ حتیٰ الامکان صرف قرآن مجید ہی کے نقطہ سے بحث جاری رہے لہذا میں اپنے ذاتی خیال اور مسیحیانہ عقیدہ کو محفوظ رکھ کر اپنے کرم فرما کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خواہ آپ لفظ خلق کے معنی" اندازہ کرنے" کے لیں یا عزم کرنے یا کچھ اور ہر صورت میں مجھ کو آپ سے اتفاق ہے کیونکہ انی خلق لکمہ من الطین کھیتہ الطیر میں کوئی معجزانہ رنگ نہیں ہے۔ یہ تو صرف تمہید اور توطیہ ہے فانفخ فیہ فیکون طیراً کی پس لفظ انفخ میں اعجاز ہے نہ اخلق میں۔ آپ اس پر جس قدر چاہیں طبع آزمائی فرمائیں۔

(ج۔) آپ کی اور شقوں کی طرح یہ شق بھی سراسر غلط ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ " اور میں تم کو بتلادیتا ہوں کہ جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ رکھتے ہو۔" اور آپ کے تقدس مآب کا یہ کہنا بھی بالکل لغو ہے کہ " گویا حلال وحرام کے متعلق بھی کچھ احکام دیتے تھے "(نکات القرآن حصہ سوم آل عمران صفحہ ۲۴۵)۔ کیونکہ اسی آیت کی تحت میں ایک دوسری آیت ولا حل لکمہ الذی حرم علیکمہ ہے جس میں حلال وحرام کا حکم ہے۔ پس آیت مافوق میں بجز" اخبار عن الغیب" کے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

(د۔) ہمیں بے حد افسوس تو اس بات کا ہے کہ آپ نے عربی کو بھی اردو پر قیاس فرمایاہے کہ بلاروک ٹوک جس لفظ کو جہاں چاہا وہاں رکھ دیا خواہ اس لفظ کو اس جگہ سے مناسبت ہو یا نہ ہو۔ لیکن عربی کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جاسکتا ہے عربی میں کثرت کےساتھ ایسے الفاظ ہیں جو خاص خاص مواقع کے لئے خصوصی معنوں کےساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ فقہ اللغت

میں جو اس فن میں ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب ہے اس قسم کے الفاظ کے لئے ایک علیحدہ باب مخصوص ہے ۔ اوراسی باب میں علامہ ابن فارس لکھتے ہیں کہ " (ومن ذالک المائدہ) لایقال لہا مائدہ حتی یکون علیہا طعام لان المائدہ من مادنی یمید نی انا اعطا ولا سہا باخوان " یعنی " مائدہ اس وقت تک مائدہ نہیں کہا جاسکتا ہے جب تک اس پر طعام نہ ہو کیونکہ مائدہ مادنی یمید نی سے ماخوذ ہے ۔جس کے معنی عطا کرنے کے ہیں ۔ اور جس پر طعام نہ ہو اس کو خوان کہتے ہیں " امام ثقالبی فرماتے ہیں کہ " وہ یقال مائدۃ الاذکان علیہا الطعام والا فہی خوان " یعنی " مائدہ کو مائدہ نہیں کہتے ہیں جب تک اس پر طعام نہ ہو اور اگر اس پر طعام نہیں ہے تو اس کے خوان کہتے ہیں " (المزہر از امام سیوطی رحمتہ اللہ مطبوعہ مصر حصہ اول صفحہ ۲۲۵)۔

اسی طرح امام راغب رحمتہ اللہ نے اپنے مفردات میں لکھتے ہیں کہ " والمائدہ قطبحق الذی علیہ الطعام "یعنی مائدہ اس طبق کو کہتے ہیں جس پر طعام ہو۔"

پس آپ کا یہ فرمانا کہ " مائدہ سے یہاں مراد واقعی کھانے کا دستر خوان نہیں ہے ۔" کس قدر وحشت انگیز غلطی ہے ۔ قبلہ ! اسی لئے میں بار بار عرض کررہا ہوں کہ آپ عربی کا علم حاصل کریں ۔

(۵ ۔) شروع میں میرا ارادہ تھا کہ میں اس شق پر علم بیان کی رو سے بحث کروں کیونکہ اس کا تعلق زیادہ تر علم بیان کے ساتھ ہے ۔ لیکن آپ کے مضمون کو غور کے ساتھ دیکھ کر میں اپنے ارادہ کے بدلنے پر مجبور ہوا کیونکہ آپ کے مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس علم سے بالکل عاری ہیں اس لئے میں ایک عام فہم پیرا یہ میں اس پر نظر ڈالونگا یعنی اگر ایک لفظ جو کئی معنوں میں مستعمل ہے قرآن شریف میں کثرت کے ساتھ ایک ہی معنی میں مستعمل ہوجائے تو اس سے ہر گز یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دیگر مقامات میں بھی اس کے وہی معنی ہونگے ۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ ایسی نظیریں موجود ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ایک لفظ ایک ہی معنی میں کثرت کے ساتھ مستعمل ہونے کے باوجود دوسرے مقام میں اور معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے ۔ یہاں صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

(۱ ۔) قرآن مجید میں لفظ " اصحاب النار " کا اطلاق ہمیشہ کافروں اور اس قسم کے دوسرے لوگوں پر ہوا ہے لیکن سورہ مدثر میں اس کا اطلاق فرشتوں پر ہوا ہے ۔

(۲ ۔) لفظ " بعل " کا اطلاق سورہ بقرہ ونساء میں شوہر پر ہوا ہے ۔ اور سورہ صافات میں بُت پر ۔

(۳ ۔) لفظ " عَود " اور "عادہ" کا اطلاق تمام قرآن مجید میں تکرار فعل پر ہوا ہے اس آیت میں کہ والذین یظاھرون من نساء ئہم ثمہ یعدون لماقلو(مجادلہ) تو یہاں پیشمانی پر ہوا ہے ۔

(۴ ۔) لفظ ریب کا اطلاق قرآن مجید میں شک پر ہوا ہے مگر آیت " ریب المنور(طور) میں حوادث زمانہ پر ہوا ہے ۔

(۴ ۔) لفظ " بروج " کا اطلاق ہر جگہ کواکب پر ہوا ہے مگر " فی بروج مشیدہ " میں اونچے مضبوط محل پر ہوا ہے ۔ (مزید ایضاح کے لئے تفسیر اتقان ملاحظہ ہو)۔

پس اگر لفظ " اندھے " کا اور کوڑھی " کا اور " مردہ " کا اطلاق صرف ایک ہی معنی یعنی " روحان بیماری اور روحانی موت " پر بھی ہوا ۔ اور کثرت کے ساتھ بھی ہوا ہو تو بھی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ کل قرآن میں از ابتدا تا انتہا ان کے یہی معنی ہیں ۔ مثلاً ایک آیت یہ ہے کہ " انک صلیت وانہم میتون " (زمر ۲۱) اے محمد (ﷺ) تو بھی مردہ ہے اور یہ کافی بھی مردُے ہیں ۔ آپ کے نظریہ کے لحاظ سے اس آیت کے یہ معنی ہونگے کہ " اے محمد(معاذ اللہ) تو بھی روحانی طور پر مردہ ہے اور یہ کافر بھی روحانی طور پر مرُدے ہیں ۔"

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی !

" اب میں اس بحث کو قرآن مجید کی ایک دوسری آیت پر ختم کرتا ہوں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ "اندھے" کو بینا کرنا۔ کوڑھی کو شفا دینا اور "مردہ" کو زندہ کرنا حقیقی معنوں میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوا السلام کے معجزے تھے نہ کچھ اور وہ آیت یہ ہے۔

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِىءُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوتَى بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ ا لَّذِينَ كَفَرُواْ مِنْهُمْ إِنْ هَـذَا إِلاَّ سِحْرٌ مُّبِينٌ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۰)۔

میں اپنے فاضل مخاطب سے پوچھتا ہوں کہ اگر وہ باتیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے معجزہ نہ تھیں تو کافروں کا یہ کہنا کہ " یہ صریح جادو ہے" کیا معنی رکھتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین نے امورِ مافوق کو بالاتفاق معجزہ مان لیا ہے۔

اگر ان واقعات کا تاریخی ثبوت موجود نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ آپ کی تاویل کو درست تسلیم کرلیا جاتا لیکن جب اناجیل میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے تو اس تاریخی ثبوت کی موجودگی میں ان باتوں کو استعارہ کے رنگ میں ماننا صریح غلطی ہے۔ والسلام۔

سُلطان